دل پھولوں کی بستی

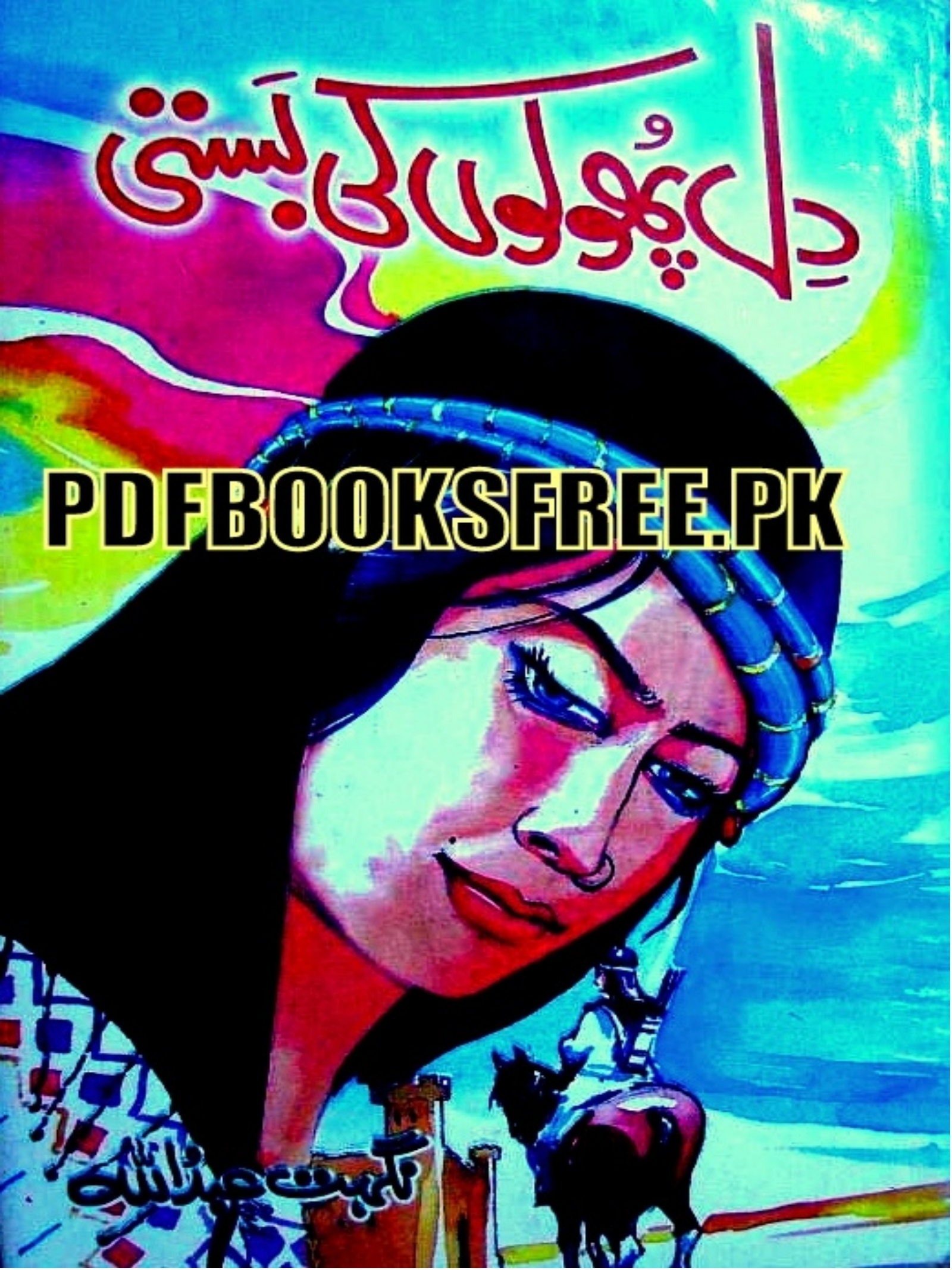

PDFBOOKSFREE.PK

نگہت عبداللہ

انتساب

ہر اُس دل

کے

نام

جو محبتوں سے آباد ہے

www.pdfbooksfree.pk

دِل پھولوں کی بستی

www.pdfbooksfree.pk

صبح کے لیے کپڑے استری کرتے ہوئے اس نے اچانک چھا جانے والی خاموشی کو محسوس کیا اور بالکل غیر ارادی طور پر سر اونچا کر کے چھت کو دیکھنے لگی۔ اصل میں سارا ہنگامہ اوپر برپا تھا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہی بڑے بھیا اور بھابی کا آپس کا جھگڑا جس نے سارے گھر کا سکون غارت کر رکھا تھا اور دونوں میں سے کسی کو احساس نہیں تھا حالانکہ شادی کو نو دس سال ہو چکے تھے، ایک ہی بچہ نبیل جو کہ سات آٹھ سال کا تھا اس کی خاطر بھی دونوں آپس میں سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں تھے۔ بڑے بھیا اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے اور بھابی اپنی ضد چھوڑنے کو تیار نہیں تھیں۔ اماں جی اور ابا جی بھابی کو تو کچھ نہیں کہتے تھے البتہ بڑے بھیا کو سمجھانے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اور پتا نہیں کیوں ماں باپ کی ہر بات پر سر جھکانے والے بڑے بھیا ایک یہی بات مان کے نہیں دے رہے تھے۔ سر جھکا کر عاجزی سے کہتے۔

''ابا جی! آپ اس معاملے میں نہیں بولیں۔''

حالانکہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ اصل میں بھابی بہت بڑے گھر کی تھیں۔ زمانہ طالب علمی میں ہی غالباً ان کی بھیا کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی اور شادی کا پیغام بھی ان کی ہی طرف سے آیا تھا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ بڑے بھیا تھے ہی بہت لائق فائق، محنتی اور بہت ہینڈسم، اس کے ساتھ اپنی ذمے داریوں کو بھی بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ ماں باپ، ان سے چھوٹے تین بھائی خلیل، شکیل، عدیل اور ایک بہن آسیہ۔ گو کہ اس وقت ابا جی بھی ملازمت کرتے تھے اور ڈیڑھ دو سال میں ان سے چھوٹے خلیل بھی ابا کا سہارا بننے والے تھے۔ ایسے میں اگر بھیا چاہتے تو اپنا الگ گھر بسا سکتے تھے لیکن ایک تو ان میں خود غرضی نہیں تھی دوسرے انہیں ماں باپ بہن بھائیوں کا خیال بھی تھا اور خصوصاً اپنے بھائیوں کے لیے وہ مثال بننا چاہتے تھے۔ یعنی ان کے خیال میں اگر آج وہ اپنا گھر بسا کر الگ ہو گئے تو اپنی باری پر آنے پر ان کے بھائی بھی ایسا ہی کریں گے اور آخر میں ان کے ماں باپ اکیلے رہ جائیں گے۔

گویا دور اندیشی سے سوچتے ہوئے انہوں نے نبیلہ بھابی کو شادی سے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر اپنے ماں باپ اپنا گھر نہیں چھوڑیں گے اور اس وقت یقیناً محبت پوری شدتوں پر تھی۔ جب ہی نبیلہ بھابی نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ بڑے بھیا سے وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ اسی گھر میں خوش رہیں گی اور بس ابتدائی چند ماہ ہی انہوں نے ہنسی خوشی گزارے تھے۔ اس کے بعد انہیں یہ گھر بہت چھوٹا لگنے لگا۔ پہلے دبے لفظوں میں پھر واضح الفاظ میں کہ وہ یہاں نہیں رہ سکتیں۔ یہاں ان کا دم گھٹتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس وقت وہ یعنی آسیہ اصلاح الدین کافی چھوٹی تھی۔ غالباً ساتویں آٹھویں میں پڑھتی تھی تب اسے نبیلہ بھابی کا روز روز واویلا مچانا اور بڑے بھیا کو تنگ کرنا سخت برا لگتا تھا اور اب جبکہ وہ میڈیکل کے آخری سال میں تھی تو اسے بڑے بھیا پر غصہ آتا تھا کہ آخر وہ نبیلہ بھابی کی بات مان کیوں نہیں لیتے۔ خواہ مخواہ اپنی ازندگی

اجیرن کر رکھی ہے کم از کم نبیل کا ہی خیال کر لیں۔ بے چارا بچہ ہر روز کے جھگڑوں سے کیسا سہم کر رہ گیا ہے۔ خلیل بھائی کے بچوں کی طرح شرارتی ہے نہ ان کی طرح ہنستا کھیلتا ہے، پتا نہیں پڑھائی میں کیسا ہے۔

وہ سوچتے ہوئے استری شدہ کپڑے ہینگر کر رہی تھی کہ میمونہ بھابی دروازے سے جھانک کر آہستہ آواز میں پوچھنے لگیں۔

"اے۔ چائے پیو گی؟"

اس نے چونک کر دیکھا اور ان کے سرگوشیانہ انداز پر مسکرا کر بولی۔

"ضرور پیوں گی لیکن کیا چائے پینے پر پابندی لگ چکی ہے؟"

"نہیں تو۔" میمونہ بھابی کا انداز نہ سمجھنے والا تھا۔

"پھر اتنی رازداری سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"ابھی بتاتی ہوں، پہلے چائے لے آؤں۔" میمونہ بھابی کہتے ہوئے وہیں سے پلٹ گئیں کچھ دیر بعد دو مگ لے کر آئیں اور ایک اسے تھما کر کہنے لگیں۔

"جسے تم رازداری کہہ رہی ہو وہ خوف ہے۔"

"کیسا خوف؟"

"لو سنا نہیں تم نے۔ ابھی اوپر کتنا شور تھا مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔ آج نبیلہ بھابی کچھ زیادہ ہی غصے میں تھیں۔"

میمونہ بھابی ابھی بھی آواز دبا کر بول رہی تھیں۔ قصداً وہ ذرا سا ہنسی پھر اُن کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"یہ ان کا معاملہ ہے بھابی! آپ کیوں ڈر رہی ہیں۔ پھر یہ تو روز کا معمول ہے۔ اتنے سالوں سے آپ خود دیکھ رہی ہیں اور اب تک تو آپ کو عادی ہو جانا چاہیے۔"

"عادی تو میں ہو چکی ہوں اور اتنی کہ اگر کسی دن ان کا جھگڑا نہ ہو تو مجھے تشویش ہونے لگتی ہے۔"

اپنی بات پر میمونہ بھابی خود ہی ہنسیں پھر کہنے لگیں۔ "نبیلہ بھابی کو تکلیف کیا ہے۔ ابا جی نے اوپر کا پورا پورشن انہیں دے دیا ہے۔ ہم لوگوں سے تو بالکل الگ تھلگ ہی ہیں پھر ان کا الگ گھر کا مطالبہ میری سمجھ نہیں آتا۔"

"ان کا مسئلہ الگ گھر نہیں ہے بھابی! اصل بات یہ ہے کہ وہ ہمارے ماحول میں ایڈجسٹ ہی نہیں ہو پائیں۔ ہے تو تلخ حقیقت لیکن سچ یہ ہے کہ وہ آزادی چاہتی ہیں۔"

وہ تاسف بھرے انداز میں سیدھی سادی میمونہ بھابی کو سمجھاتے ہوئے کہنے لگی۔

"کلب، پارٹیز، آزادانہ مردوں سے میل جول یہ ساری باتیں ہمارے ہاں معیوب سمجھی جاتی ہیں اور نبیلہ بھابی یہاں رہ کر یہ سب نہیں کر پا رہیں۔ اس لیے الگ گھر چاہتی ہیں۔ وہ بھی ہم سے بہت دُور۔"

"لیکن چندا! ان کی شادی کو تو دس سال ہو گئے ہیں۔ پھر بچے کی ماں بھی ہیں۔"

"یہ ساری باتیں ہم، ہمارے طبقے کی عورتیں سوچتی ہیں بھابی۔ انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ آپ نے ان کے انداز نہیں دیکھے اور اسمارٹنس، کہیں سے بھی شادی شدہ عورت لگتی ہیں؟" میمونہ بھابی نفی میں سر ہلانے لگیں۔ ان کی نگاہوں میں نبیلہ بھابی کا سراپا سمایا ہوا تھا، تب وہ موضوع بدلنے کی خاطر پوچھنے لگی۔

''خلیل بھائی اور بچے سو گئے کیا؟''

''نہیں، خلیل دونوں کو ہوم ورک کروا رہے تھے۔'' میمونہ بھابی کو جیسے ہی احساس ہوا کہ وہ اتنی دیر سے یہاں بیٹھی ہیں۔ فوراً چائے کے خالی مگ اُٹھا کر کھڑی ہو گئیں تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''آپ کو بھی ہوم ورک کرنا ہے؟''

''نہیں میرا آج کا ہوم ورک ختم ہو گیا۔'' میمونہ بھابی ہنستی ہوئی چلی گئیں تو کچھ دیر تک وہ ان کے بارے میں سوچتی رہی پھر اپنی کتابیں لے کر بیٹھ گئی۔

✿ ✿ ✿

صبح کاذب کے وقت شاہ سکندر حیات نے اُٹھتے ہی کھڑکی کے پردے سمیٹ دیے اور تازہ ہوا میں چند گہرے سانس لینے کے بعد واش روم کا رخ کیا۔ اسے تیار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی تھی اور کم وقت میں ہی اس کی تیاری بھرپور ہوتی تھی۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد قد آدم آئینے میں اس نے خود پر بس ایک نظر ڈالی..... آسمانی شلوار سوٹ پر سیاہ ویسٹ کوٹ نے اس کی وجاہت میں اضافہ کر دیا تھا۔ قیمتی رسٹ واچ کلائی پر سجاتا ہوا اپنے کمرے سے نکل کر بابا جان کے کمرے میں آیا تو جاء نماز پر بیٹھے ہوئے بابا جان نے آہٹ پر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''السلام علیکم بابا جان!'' اس نے مؤدبانہ سلام کیا۔

''جیتے رہو۔ کہاں کی تیاری ہے؟'' دعا دینے کے ساتھ ہی بابا جان نے پوچھا۔

''میں ایک کام سے کراچی جا رہا ہوں۔ آپ کوئی کام ہو تو بتائیے؟''

''کراچی کا تو کوئی کام نہیں، البتہ زمینوں پر جانا تھا تم کب تک لوٹو گے؟''

بابا جان نے قدرے سوچتے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے اس سے واپسی کا پوچھا۔

''شاید شام تک۔''

''یقین سے کہو تو پھر ہم کل تمہارے ساتھ چلیں ورنہ آج ہارون کو بھیج دیتے ہیں۔''

''اگر میرا آپ کے ساتھ جانا ضروری ہے تو پھر میں یقیناً شام تک آ جاؤں گا۔'' اس نے کہا تو بابا جان مسکرا کر بولے۔

''ٹھیک ہے۔ ہم کل چلیں گے۔''

''مجھے اجازت ہے؟''

''ہوں۔ اپنی بی بی جان سے پوچھ لو۔ انہیں شہر سے کوئی کام ہو تو۔''

''جی بہتر۔''

وہ انہیں سلام کرتے ہوئے کمرے سے نکل آیا۔ پھر بی بی جان سے بہت عجلت میں بات کر کے باہر آیا تو سورج طلوع ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنی گرے لینڈ کروزر میں کراچی جا رہا تھا اور اسے اپنا تو کوئی کام نہیں تھا بلکہ اس کے دوست احمد حسن کی بہن کو کچھ نمبروں کی کمی کے باعث میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں مل رہا تھا اور احمد حسن نے سفارش کے طور پر اسے بلایا تھا۔ وہ کیونکہ وعدہ کر چکا تھا اس لیے آج اس کا جانا ناگزیر تھا۔ پھر دوست کا معاملہ تھا ورنہ ایسے معمولی کاموں کے لیے وہ خود زحمت نہیں کرتا تھا۔ بہر حال تین گھنٹے کا سفر ڈھائی گھنٹے میں طے کر کے وہ احمد حسن کے گھر پہنچا تو وہ منتظر تھا اور چاہتا تھا کہ پہلے اس کی کچھ خاطر مدارت کرے لیکن وہ منع کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں احمد حسن! جو ضروری کام ہے پہلے وہ کر لینا چاہیے۔ تم چلو گے یا؟"

"میں چل رہا ہوں۔" احمد حسن فوراً دوسری طرف سے آ کر اس کے برابر بیٹھ گیا تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی پھر پوچھنے لگا۔

"گھر میں سب خیریت ہے ناں؟"

"اللہ کا شکر ہے بس وہ نائلہ نے ایڈمیشن نہ ہونے کی وجہ سے رو رو کر برا حال کیا ہوا ہے۔"

"چلو پھر اس روتی ہوئی لڑکی کو ہنسائیں۔" اس نے کہا پھر معاً خیال آنے پر رُک کر بولا۔ "ایسا کرو احمد حسن تم جا کر نائلہ کو خوشخبری سناؤ اور اس سے کہنا اپنے ہاتھوں سے میرے لیے شامی کباب بنا رکھے۔ میں دوپہر کے کھانے تک پہنچ جاؤں گا۔"

"ابھی کہاں جا رہے ہو؟" اس کے عجلت بھرے انداز پر احمد حسن نے فوراً پوچھا۔

"بی بی جان کا ایک کام ہے بس نمٹا کر آتا ہوں۔ کہو تو تمہیں ڈراپ کرتا جاؤں۔" اس نے گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے پوچھا۔

"میں چلا جاؤں گا۔ نو پرابلم۔ بس تم یہ یاد رکھنا کہ کھانا تمہیں ہمارے ساتھ کھانا ہے۔" احمد حسن نے تاکید کرنی ضروری سمجھی۔

"یاد رکھوں گا۔" وہ مسکراتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

پھر بی بی جان کے کام سے فارغ ہو کر اس کا دل چاہا وہیں سے واپسی کی راہ لے۔ احمد حسن سے اگلی ملاقات پر معذرت کر لے گا۔ پھر نائلہ کا خیال آیا جس نے یقیناً اس کے لیے خاص اہتمام سے شامی کباب بنا رکھے ہوں گے۔ یوں بھی بقول احمد حسن وہ رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی اور اس کے نہ جانے پر پھر رونے بیٹھ جائے گی۔ بس اسی کا خیال کر کے اس نے واپسی کا خیال ترک کر دیا اور گاڑی احمد حسن کے گھر کے راستے پر ڈال دی۔

دو بج رہے تھے اور اسے واپس بھی آج ہی جانا تھا، کیونکہ بابا جان سے کہہ چکا تھا اسی حساب سے وہ واپسی کا سوچنے لگا کہ چار بجے نکلنے پر وہ ساڑھے چھ سات بجے تک حویلی پہنچ جائے گا اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تاکہ سگنل بند ہونے سے پہلے نکل جائے لیکن اس سے پہلے ہی ریڈ سگنل آن ہو گیا۔ اس نے کچھ جھنجلا کر گھڑی پر نظر ڈالی پھر یونہی دائیں جانب گردن موڑی تو یک لخت ساری جھنجلاہٹ دور ہو گئی۔ حالانکہ وہ کوئی دل پھینک قسم کا نوجوان نہیں تھا نہ ہی کسی خوبصورت لڑکی کو پہلی بار دیکھ رہا تھا اور وہ کوئی بہت زیادہ حسین و جمیل بھی نہیں تھی لیکن کوئی بات تو ضرور تھی اس میں جو شاہ سکندر حیات کی نظریں اس پر ٹھہر گئی تھیں۔ سگنل آن ہو گیا۔ پیچھے گاڑیوں کے ہارن شور مچانے لگے تب اس نے چونک کر گاڑی آگے بڑھائی لیکن سارا دھیان وہیں رہ گیا تھا۔

✿ ✿ ✿

پریکٹیکل کی وجہ سے آج اسے آنے میں خاصی دیر ہو گئی تھی سب لوگ کھانا کھا چکے تھے کپڑے بدل کر کچن میں آ گئی اور کھانا گرم کرنے لگی۔ پھر ایک پلیٹ میں سالن اور ہاٹ پاٹ سے ایک روٹی نکال کر وہ ڈائننگ روم کے بجائے اماں جی کے کمرے میں آ گئی۔

"آ گئیں بیٹا؟" اماں جی اسے دیکھ کر بولیں۔

"جی اور دیکھ لیں، کھانا بھی کھا رہی ہوں۔ پھر آپ کہیں گی میں نے کچھ کھایا نہیں۔" وہ ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اتنی سی روٹی کھاؤ گی تو یہی کہوں گی۔'' اماں جی نے اس کی مٹھی میں دبی روٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''یہ بھی بہت ہے اماں جی! گرمی میں تو کھانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔'' تبھی نبیل دروازے میں آ کر پوچھنے لگا۔
''اماں جی! میں آپ کے پاس سو جاؤں، ادھر احمر اور سونیا مجھے سونے نہیں دے رہے۔''
''آ جاؤ میرے بچے۔ میری جان!'' اماں جان نے پکارتے ہوئے نبیل کے لیے بانہیں پھیلا دیں، اور اس نے کھانا چھوڑ کر نبیل کو اماں جی کی آغوش میں سماتے ہوئے دیکھا پھر دھیمی آواز میں پوچھنے لگی۔
''کیا ہوا اماں جی نبیلہ بھابی کہاں ہیں؟''
''میکے گئی ہوں گی۔'' یعنی اماں جی کو خود پتا نہیں تھا۔ اپنے طور پر فرض کر لیا۔ وہ ان کی بے بسی محسوس کرتے ہوئے نبیل سے کہنے لگی۔
''نبیل بیٹا! آپ میرے کمرے میں چلے جاؤ۔ ابھی میں بھی آ رہی ہوں پھر ہم مل کر سوئیں گے۔''
''پھوپھو! کہانی بھی سنائیں گی؟'' نبیل، اماں جی کی آغوش سے نکل کر پوچھنے لگا تو وہ اس کا گال تھپک کر بولی۔
''کہانی رات میں ابھی ہم سوئیں گے۔ جاؤ شاباش۔''
نبیل دوسرے بچوں کی طرح کبھی ضد نہیں کرتا تھا۔ جو کہہ دیا مان لیا۔ پتا نہیں یہ بات اس کی فطرت میں شامل تھی یا اپنے ماں باپ کی طرف سے نظر انداز ہونے پر عدم تحفظ کا شکار ہونے کے ساتھ اندر سے خائف تھا۔ ابھی بھی چپ چاپ چلا گیا تو قدرے توقف سے وہ اماں جی سے کہنے لگی۔
''اماں جی! آپ بڑے بھیا کو سمجھائیں۔ ان کے لیے بھابی کی بات مان لینا ہی بہتر ہے آخر وہ کیوں اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ بچے کا بھی کوئی خیال نہیں۔''
''میں کیا کروں۔ اتنی دفعہ تو کہہ چکی ہوں اور اس کا کہنا بھی ٹھیک ہے کہ یہاں تو نبیل کو دیکھنے والے ہم سب ہیں اکیلے گھر میں نبیلہ اسے چھوڑ کر جائے گی، تب بچے کا کیا حال ہوگا؟'' اماں جی اس معاملے میں خاص مجبور نظر آئیں۔
''عجیب مشکل میں ہیں بڑے بھیا پتا نہیں کیا ہوگا؟'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''اللہ بہتر کرنے والا ہے۔'' اماں جی نے گہری آہ کھینچی۔ پھر اسے نبیل کے پاس جانے کا کہا تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ نبیل کی آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی، لیکن اس کے انتظار میں زبردستی آنکھیں کھولے ہوئے تھا۔
''کیا بات ہے چاند! تم سوئے نہیں؟'' وہ اس کے پاس لیٹتے ہوئے بولی۔
''میں آپ کا انتظار کر رہا تھا پھوپھو۔''
''سوری بیٹا! میں اماں جی سے بات کرنے بیٹھ گئی۔ چلو سو جاؤ۔''
وہ اس کی پیشانی چوم کر آہستہ آہستہ تھپکنے لگی۔ نبیل فوراً سو گیا اور کچھ دیر بعد اسے بھی نیند آ گئی تھی۔
شام میں اچانک شور سے اس کی آنکھ کھلی تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ دل بھی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا کیونکہ نیند میں سے اٹھی تھی اس لیے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ سوئے ہوئے نبیل کی طرف سے اطمینان کر کے کمرے سے نکل کر آئی تو ادھر سے آتی میمونہ بھابی نے بتایا کہ اسلام آباد سے شکیل بھائی بھابی بچوں سمیت

اس نے خوش ہو کر اماں جی کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی، اور کمرے میں بھی اسی تیزی سے داخل ہوئی تو اماں جی اسے دیکھ کر بولیں۔

"لو آ گئی آپ۔"

"السلام علیکم۔" اس نے سلام کیا پھر پہلے بھائی سے ملی اس کے بعد سیما بھابی کے گلے لگ گئی۔

"بھئی بچوں سے تو ملو۔ اتنا یاد کرتے ہیں تمہیں۔" شکیل بھائی نے کہا تو سیما بھابی سے الگ ہو کر اس نے ثمینہ اور اشعر کو ایک ساتھ بازوؤں میں لے لیا پھر ان سے پوچھنے لگی۔

"سچ بتانا۔ تم دونوں میں سے کون زیادہ یاد کرتا ہے مجھے؟"

"دونوں۔" بچوں سے پہلے سیما بھابی بول پڑیں۔ "دونوں بہت یاد کرتے ہیں تمہیں۔"

"اور آپ؟" اس نے شرارت سے پوچھا تو سیما بھابی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"مجھے فرصت ہی نہیں ملتی۔" وہ ہنس پڑی۔

تب ہی میمونہ بھابی چائے اور بچوں کے لیے اسکوائش لے کر آ گئیں تو وہ اس کے بعد کے کام سوچ کر کمرے سے نکل آئی۔ پھر پہلے نبیل کو اٹھا کر اس کا منہ ہاتھ دھلایا اس کے بعد خود منہ ہاتھ دھو کر سیدھا کچن کا رخ کیا۔

شکیل بھائی ابھی چھ ماہ پہلے ہی ٹرانسفر ہو کر اسلام آباد گئے تھے۔ اس سے پہلے یہیں کراچی میں ان کی جاب تھی اور اسی گھر میں سب کے ساتھ رہتے تھے۔ سوائے نبیلہ بھابی کے اس گھر میں سب مل جل کر محبت سے رہتے تھے۔ جبھی تو سیما بھابی کا اسلام آباد میں دل نہیں لگتا تھا۔ ہر تیسرے دن اُن کا فون آتا اور تنہائی کا رونا روتی تھیں۔ لیکن کیا کرتیں مجبور تھیں۔ رہنا بہر حال انہیں میاں کے ساتھ تھا۔ ابھی بھی شکیل بھائی آفس ٹور پر صرف دو دن کے لیے آئے تھے اور وہ بھی ضد کر کے ساتھ چلی آئیں۔ رات میں شکیل بھائی، اماں جی کے سامنے باقاعدہ ان کی شکایت لے کر بیٹھ گئے۔

"میں آفس کے کام سے آ رہا تھا اماں جی! یہ خوامخواہ تیار ہو گئیں۔ بتایئے دو دن میں ان کی طبیعت سیر ہو جائے گی۔"

"صرف دو دن۔" اماں جی نے تعجب سے پوچھا۔

"جی، اس سے زیادہ ایک دن نہیں اور بچوں کے اسکول کی وجہ سے انہیں یہاں چھوڑ بھی نہیں سکتا۔" شکیل بھائی نے کہا تو اماں جی ان کے بجائے بھابی کی طرفداری میں کہنے لگیں۔

"کیا کرے بچی بے چاری۔ وہاں اکیلی گھبراتی ہوگی۔"

"لیجیے آپ تو انہیں اور شہ دے رہی ہیں۔" شکیل بھائی نے سر پیٹا اور سیما بھابی ہنسنے لگیں۔

دو دن گھر میں خوب رونق رہی۔ احمر اور سونیا بھی سمیہ اور اشعر کے آنے سے بہت خوش تھے البتہ نبیل اسی طرح چپ چپ سا رہا، گو کہ ان سے بڑا تھا پھر بھی وہ چاروں اس پر رعب جما رہے تھے، اس وقت وہ بھی دیکھ رہی تھی سمیہ نے کہا۔

"نبیل! تم وہاں بیٹھ جاؤ۔" وہ بیٹھ گیا۔ پھر احمر نے کہا۔

"نبیل وہ کرسی اٹھا لاؤ۔" اور وہ اس کے حکم کی تعمیل میں کھڑا ہو گیا۔ بالآخر اس سے رہا نہیں گیا۔ سب کو بلا کر ان سے کھڑا کرتے ہوئے بولی۔

''کتنی بری بات ہے نبیل تم سب سے بڑا ہے اور تم لوگ بجائے اس کی عزت کرنے کے اس پر رعب جمار ہے ہو۔''

''پھوپھو! نبیل نے۔'' سمیہ جانے کیا کہنے جارہی تھی کہ وہ فوراً ٹوک کر بولی۔

''اوں ہوں۔ نبیل نہیں۔ نبیل بھائی کہو۔''

''نہیں پھوپھو! میں نبیل بھائی نہیں کہوں گی۔'' سمیہ بسور کر بولی۔ تو اس نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

''کیوں؟''

''پھر وہ مجھے مارے گا۔'' سمیہ کی معصومیت جو غالباً یہ سمجھ رہی تھی کہ بڑا بھائی مارتا ضرور ہے۔

''بالکل نہیں۔'' اس نے سمیہ کو قریب بلایا اور بازو کے حلقے میں لے کر بولی۔ ''نبیل بہت اچھا بچہ ہے۔ کسی کو نہیں مار سکتا۔ آپ اسے نبیل بھائی کہو گی تو یہ آپ کا خیال رکھے گا۔''

''اشعر کا بھی؟'' سمیہ کو فوراً چھوٹے بھائی کا خیال آیا۔

''ہاں اشعر کا بھی، احمر اور سونیا کا بھی۔ سب کا خیال رکھے گا۔''

''اور پھوپھو، نبیل بھائی کا خیال کون رکھے گا؟''

اتنی سی سونیا نے اتنی سمجھداری سے پوچھا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑی پھر نبیل کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے بولی۔

''میں..... بلکہ ہم سب نبیل کا خیال رکھیں گے۔''

تبھی میمونہ بھابی اور سیما بھابی لاؤنج سے نکلیں اور اسے بچوں میں گھرے دیکھ کر سیما بھابی ہنستے ہوئے بولیں۔

''لو یہ مستقبل قریب کی ڈاکٹر صاحبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہی ہیں۔''

''جناب! میں ان پر ریسرچ کر رہی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''ماشاء اللہ۔'' دونوں بھاوجیں کرسیاں اس کے قریب کھینچ کر بیٹھ گئیں تو اس نے پہلے بچوں کو آرام سے کھیلنے کی تاکید کی پھر اُن کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

''تو صبح آپ جارہی ہیں؟''

''ہاں دیکھو اپنے بھیا کو۔ ایک دن اور نہیں رُک رہے۔'' سیما بھابی کا بالکل جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ منہ پھلا کر بولیں۔

''آپ نے غلطی کی ناں بھابی! اگلے مہینے بچوں کی چھٹیاں ہو رہی ہیں، تب اطمینان سے آتیں۔ شکیل بھائی تو جب بھی آئیں گے، ایسے ہی آئیں گے۔'' وہ بھابی کی مجبوری کا احساس کر کے بولی۔

''ہاں تمہارے بھائی بھی یہی کہہ رہے تھے خیر تم چلو ہمارے ساتھ۔ آج کل اسلام آباد کا موسم بہت اچھا ہے۔''

سیما بھابی نے محبت سے اسے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔

''میں کیسے جا سکتی ہوں بھابی! آپ کو پتا ہے، یہ میرا آخری سال ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ ضرور آؤں گی۔''

اس نے کہا بھی نبیلہ بھابی انگلی میں کی رنگ گھماتی اپنے مخصوص انداز میں اونچی نیچی کی ٹک ٹک کرتی آئیں اور جیسے بادل نخواستہ ان کے قریب رُک کر سیما بھابی سے پوچھنے لگیں۔

"تم صبح جا رہی ہو؟"

"جی۔" سیما بھابی مختصر جواب دے کر خاموش ہو گئیں۔ تب وہ اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولی۔

"نہیں بھابی!"

"نہیں۔ بس تم بیٹھو۔ اچھا سیما! صبح تو جب تم جاؤ گی میں سو رہی ہوں گی۔"

اس کے بعد کچھ کہا نہیں لیکن انداز گویا اسی وقت خدا حافظ کا سا تھا۔ اور جانے لگیں کہ نبیل دیکھ کر بھاگا آیا۔

"ممی!" نبیل نے ان کی ٹانگوں سے لپٹ کر پکارا تو وہ اسے بازو سے پکڑ کر پرے دھکیلتے ہوئے بولیں۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے۔ اپنے باپ کے ساتھ کیا کرو یہ چونچلے۔"

اس کے ساتھ ہی ٹک ٹک کرتی سیڑھیاں چڑھ گئیں تو وہ جو بلا ارادہ ان کے پیچھے دیکھنے لگی تھی سر جھٹک کر دوبارہ بیٹھنے لگی کہ نظر نبیل پر پڑی بچہ ماں کی بے رخی کو شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اندر ہی اندر کڑھتے ہوئے اسے بلا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

✿ ✿ ✿

وہ ابھی بابا جان کے ساتھ زمینوں سے لوٹا تھا۔ شاور لینے کے بعد چائے اس نے اپنے کمرے میں ہی منگوالی تھی۔ اور رُک رُک کر چائے کے سپ لیتے ہوئے وہ کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آ کھڑا ہوا تو سلونی شام میں اسے وہ بڑی شدت سے یاد آئی جسے تین روز پہلے اس نے تپتی دھوپ میں سڑک کے کنارے غالباً بس کے انتظار میں کھڑے دیکھا تھا اور ان تین دنوں میں مسلسل تو نہیں لیکن وقفے وقفے سے ضرور اس کا دھیان اس کی طرف گیا تھا اور وہ خود حیران ہو رہا تھا کہ اس طرح تو اس نے کبھی کسی کے بارے میں نہیں سوچا تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ صنف نازک کو اس نے کبھی اہمیت دی ہی نہیں تھی گزشتہ سال جب شہر بانو اور شاہ ہارون کی منگنی کے ساتھ بدلے میں اس کی مہر النساء سے نسبت طے ہوئی تھی تب بھی اس کے اندر کوئی خوشگوار احساس نہیں جاگا تھا نہ ہی اس کے بعد مہر النساء کا اس کے سامنے آنے سے گریز کرنا یا اچانک سامنا ہو جانے پر لجانا اسے متوجہ کر سکا۔ جبکہ وہ بہت خوبصورت بھی تھی لیکن ساری بات تو دل کی ہے۔ کب کہاں بے اختیار ہو جائے کچھ پتا نہیں چلتا اور شاہ سکندر حیات پہلی بار اپنے دل کو اپنے اختیار سے باہر محسوس کر رہا تھا۔

"بھائی! آپ کو بی بی جان بلا رہی ہیں۔" عقب سے شہر بانو نے پکار کر کہا تو اس نے اپنے خیال سے چونک کر پلٹ کر دیکھا اور یونہی پوچھ لیا۔

"خیریت؟"

"خیریت نہیں لگتی بھائی! بی بی جان کچھ ناراض لگ رہی ہیں۔" شہر بانو نے کہا تو وہ اپنی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"مجھ سے؟"

"پتا نہیں آپ سے یا کسی اور سے۔ آپ چلیں تو۔"

"ہاں چل رہا ہوں۔" وہ چائے کا خالی کپ اسے تھما کر بی بی جان کی ناراضگی سوچتا ہوا سیڑھیاں اتر

کر آیا تو وہ بڑے ہال کمرے میں بیٹھی نظر آئیں۔ اس نے قریب آ کر سلام کیا تو بی بی جان اسے دیکھ کر قدرے خفگی سے بولیں۔

''ماشاء اللہ۔ تین دن بعد لوٹے ہو، اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ پہلے ماں کو اپنی صورت دکھا دو۔''

''سوری بی بی جان!'' وہ اپنی کوتاہی پر نادم ہوا اور ان کے قریب بیٹھ کر ان کے گرد اپنے بازوؤں کا گھیرا بنا کر صفائی پیش کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''اصل میں راستوں کی گرد سے طبیعت بوجھل ہو رہی تھی سوچا پہلے نہالوں پھر آپ کی خدمت میں پیش ہوں گا۔''

''کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں؟'' بی بی جان نے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

''چائے پی چکا ہوں، اور کھانا رات میں ہی کھاؤں گا۔'' گویا اس وقت اس نے کچھ بھی کھانے سے انکار کر دیا۔

''اتنی گرمی میں چائے، کتنی بار منع کیا ہے، کم از کم گرمی میں چائے نہیں پیا کرو، صحت خراب کرتی ہے۔'' بی بی جان نے حسب عادت چائے کا سن کو ٹوکنا ضرور سمجھا۔

''بی بی جان جس چیز کی عادت ہو وہ پھر گرمی سردی نہیں دیکھتی، خیر یہ بتایئے خاموشی کیسی ہے۔ میرا مطلب ہے بچے سب کہاں ہیں؟''

اس نے اچانک خاموشی محسوس کرتے ہوئے اپنے بھتیجے بھتیجیوں کے بارے میں پوچھا۔

''بچے سب شاہ جہانگیر کے ساتھ تمہارے چچا جان کی طرف گئے ہیں۔''

''خیریت!''

''ہاں صبح مہرالنساء آئی تھی تو شہربانو نے اسے روک لیا۔ ابھی سب اُسے چھوڑنے گئے ہیں جہانگیر جا رہا تھا تو بچے بھی ساتھ تیار ہو گئے۔''

بی بی جان نے بتایا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر رہ گیا۔ پھر قدرے توقف سے پر سوچ انداز میں بولا۔

'میں صبح کراچی جاؤں گا۔''

''کیوں؟ ابھی اس دن تو گئے تھے؟'' بی بی جان نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''بی بی جان! سو کام ہوتے ہیں، پھر کراچی کون سا دور ہے۔ ابھی جاؤ ابھی آؤ۔''

اس نے کام کی نوعیت نہیں بتائی، پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

''میں اپنے کمرے میں ہوں، جہانگیر بھائی آئیں تو مجھے بلا لیجیے گا۔''

''جہانگیر کو تمہارے چچا اتنی جلدی تو نہیں آنے دیں گے۔'' بی بی جان نے کہا تو وہ جاتے جاتے رُک کر بولا۔

''کیا مطلب؟ رات وہیں رکیں گے؟''

''نہیں خیر۔ رات تو وہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ سب بچے ساتھ ہیں اس کے اور شاہ یونس کے بھی۔''

اس نے بی بی جان کی بات سن کر مزید کچھ نہیں کہا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

✿ ✿ ✿

اسی روز کی طرح وہ تپتی ہوئی دھوپ میں بس کے انتظار میں کھڑی نظر آئی اور اسے دیکھتے ہی شاہ

سکندر حیات کو اپنے کراچی آنے کا مقصد سمجھ میں آیا اور واقعی وہ حیران رہ گیا یعنی صرف اس لڑکی کو دیکھنے کی خاطر وہ شاہ پور سے یہاں آیا تھا۔

"نہیں۔" اس نے اس حقیقت کو جھٹلانا چاہا لیکن کسی طرح حقیقت جھٹلائی نہیں گئی۔ اسے دیکھ کر ہی تو اس کا اضطراب اچانک ختم گیا تھا۔ ورنہ گزشتہ دو گھنٹے سے انتہائی مضطرب حالت میں گاڑی مختلف سڑکوں پر دوڑاتے ہوئے وہ مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ وہ یہاں کس کام سے آیا ہے۔ حالانکہ کل شام بی بی جان کے استفسار پر اس نے کہا تھا سو کام ہوتے ہیں اور ہوتے بھی تھے، لیکن آج تو کوئی کام نہیں تھا پھر بھی اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی خاص مقصد سے آیا ہو اور اب مقصد کا ادراک اسے سخت حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ تحیر سے نکلتا وہ بس میں سوار ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئی اور اپنے پیچھے منظر میں جو وہ خلا چھوڑ گئی تھی اسے شدت سے محسوس کرتے ہوئے وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور وہ تو کہیں نظر نہیں آئی البتہ نائلہ اسے دیکھ کر بھاگی آئی۔

"ارے سکندر بھائی آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"وہ ایک کام سے آیا تھا؟" وہ سنبھل کر بولا۔

"سمجھ گئی، کسی کا ایڈمیشن کروانے آئے ہوں گے۔" نائلہ نے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"خیر اب ایسا اندھیر بھی نہیں مچا کہ میری کہنے پر وہ تم جیسی نالائق لڑکیوں سے کالج بھر دیں۔"

"جی، میں نالائق نہیں ہوں۔" نائلہ منہ پھلا کر بولی۔

"اچھا چلو بیٹھو، میں تمہاری طرف جا رہا ہوں۔" اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تو نائلہ رک کر شوق سے پوچھنے لگی۔

"اپنی دوستوں کو بھی بلا لوں؟"

"کیا؟ میں تمہیں اتنا فالتو نظر آتا ہوں، چلو بیٹھو!"

اس نے ناگواری اور رعب سے کہا تو نائلہ بڑبڑاتی ہوئی دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر خاموشی سے ڈرائیو کرنے کے بعد وہ پوچھنے لگا۔

"تمہاری کلاسز شروع ہو گئیں؟"

"جی!" نائلہ ابھی اس کے رعب سے نکلی نہیں تھی جبھی اس کے حلق سے مشکل سے آواز نکلی، اور وہ سمجھ کر قصداً انجان سا بن گیا۔

پھر اس نے چاہا کہ نائلہ کو اس کے گھر پر اُتار کر چلا جائے کیونکہ احمد حسن اس وقت گھر پر نہیں تھا لیکن نائلہ نے اسے جانے نہیں دیا گو کہ اس گھر میں اس سے کوئی پردہ نہیں تھا پھر بھی نائلہ اور اس کی امی کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتے ہوئے وہ کچھ جھجک رہا تھا۔ کھانے کے دوران نائلہ کی امی نے اس کے گھر کے ایک ایک فرد کی خیریت پوچھی، پھر کہنے لگیں۔

"کبھی اپنی بی بی جان اور بہنوں کو لے کر آؤ، کیا وہ بالکل بھی حویلی سے باہر نہیں نکلتیں۔"

"نہیں ان کا کراچی آنا جانا رہتا ہے۔ لیکن کبھار البتہ مری اسلام آباد سال میں دو بار جاتی ہیں، وہ بھی بچوں کی وجہ سے۔"

اس نے بتایا تو انہوں نا سمجھی کے عالم میں کہا۔

''بچوں کی وجہ سے؟''

''جی۔ اصل میں میرے بھائیوں کے بچے مری کانوینٹ میں پڑھتے ہیں۔ چھٹیوں کے علاوہ جب بی بی جان کا دل چاہتا ہے خود جا کر ان سے مل آتی ہیں۔''

''اچھا اچھا!'' انہوں نے سمجھ کر سر ہلایا پھر کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے بولیں۔ ''گرمی بہت ہے تم ایسا کرو سکندر کچھ دیر آرام کر لو۔ احمد حسن کے کمرے میں یا نائلہ سے کہو گیسٹ روم کھول دے۔''

''جی!'' وہ اسی قدر کہہ کر سوچنے لگا کہ آیا اسے یہاں رکنا چاہیے یا واپسی کی راہ لے۔

''چلیں سکندر بھائی! کہاں چلنا ہے احمد بھائی کے کمرے میں یا!''

''میرا خیال ہے مجھے گیسٹ روم میں پہنچا دو۔'' ایک پل میں فیصلہ کر کے وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

✿ ✿ ✿

میمونہ بھابی کے ہاں تیسرے بچے کی آمد تھی۔ اماں جی انہیں لے کر ہاسپٹل گئی ہوئی تھیں اور نبیلہ بھابی تو یوں بھی گھر پر نہیں رہتی تھیں۔ وہ کالج سے لوٹی تو تینوں بچے نبیل، احمر اور سونیا اباجی کے پاس بیٹھے نظر آئے۔ اسے دیکھتے ہی سونیا وہیں سے پکار کر بولی۔

''پھوپھو! اماں جی اور امی نہیں ہیں۔''

''کہاں گئی ہیں؟'' اس نے پوچھا لیکن پھر فوراً ہی اسے میمونہ بھابی کی کنڈیشن یاد آئی تو اس سے پہلے کہ سونیا اباجی کے سامنے کچھ اُلٹا سیدھا بولتی وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ پھر منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو پہلے اباجی اور بچوں سے کھانے کا پوچھا۔

''ہم کھا چکے ہیں بیٹی۔ تم کھا لو۔'' اباجی نے کہا۔

''مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔'' اس نے کہا پھر اباجی کے آرام کے خیال سے تینوں بچوں کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''چلو اب تم سب آرام سے سو جاؤ شام میں اٹھو گے تو میں تمہیں ایک پیارا سا گول مٹول سا منا دکھاؤں گی۔''

اپنے تئیں اس نے بچوں کو لالچ دیا لیکن سونیا بڑے آرام سے بولی۔

''مجھے پتا ہے۔ امی لینے گئی ہیں۔''

''چلا کو ماسی! تمہیں کیسے پتا ہے؟'' وہ سونیا کے پھولے گال پر ہلکے سے چٹکی کاٹ کر بولی۔

''اماں جی نے بتایا ہے کہہ رہی تھیں۔ ہم تمہارے لیے منا سا بھائی لینے جا رہے ہیں۔''

یقیناً اماں جی انہیں بہلا کر گئی ہوں گی اور سونیا نے ان کا حرف بہ حرف دہرا دیا پھر پوچھنے لگی۔

''پھوپھو! وہ منا سا بھائی میرا ہو گا ناں۔ نبیل کا تو نہیں ہو گا۔''

''کیوں نبیل کا کیوں نہیں ہو گا؟'' اس نے نبیل کے معصوم چہرے پر نظر ڈال کر پوچھا۔

''اس لیے کہ ہماری امی لے کر آئیں گی نبیل کی امی تو!''

''سونیا!'' اس نے فوراً ٹوک دیا۔ ''بری بات ہے بیٹا! ایسی باتیں نہیں کرتے نبیل بھی تمہارا بھائی ہے اور تم سب کو مل جل کر رہنا ہے۔''

''پھوپھو! سونیا گندی بچی ہے، یہ نبیل بھائی کو نبیل کہتی ہے۔'' احمر نے خود کو سمجھدار ظاہر کرتے ہوئے

کہا۔

"نہیں۔ میں گندی بچی نہیں ہوں۔" سونیا کو سخت برا لگا۔ رونے لگی تو وہ اسے اپنے بازوؤں میں لے کر بولی۔

"نہیں احمر! سونیا بہت اچھی بچی ہے۔"

معاً نبیل پر نظر پڑی، وہ سونیا کو روتے ہوئے چپ چاپ دیکھ رہا تھا تب وہ بہت پیار سے اسے مخاطب کر کے بولی۔

"کیا بات ہے نبیل تم کیوں خاموش ہو؟" جواب میں معصوم بچے کے سینے میں جانے کب سے دبی ہوئی گہری سانس آہ کی صورت خارج ہوئی تو اس نے تڑپ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"میری جان!" وہ بس یہی کہہ سکی کیونکہ اسی وقت عدیل بھائی آ گئے اور زور دار سلام کے ساتھ بولے۔ "نیا بھتیجا مبارک ہو!"

"نیا بھتیجا۔" اس نے چونک کر دیکھا پھر پوچھنے لگی۔ "آپ ہاسپٹل سے آ رہے ہیں؟"

"نہیں آفس سے!" عدیل بھائی سونیا کو گود میں اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

"پھر آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"اماں جی کا فون آیا تھا غلطی سے۔ یعنی نمبر ملانا چاہ رہی تھیں خلیل بھائی کے مل گئے میرے۔"

عدیل بھائی محظوظ انداز میں بتا کر ہنسے تو وہ بھی ہنس پڑی پھر پوچھنے لگی۔

"اور کچھ کہا اماں جی نے؟" عدیل بھائی سونیا کو گدگدانے میں لگ گئے تھے۔ جب ہی اس کی بات سنی نہیں۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا پھر قدرے اونچی آواز میں ان سے کھانے کا پوچھا۔

"ہاں، کھانا کھاؤں گا۔" انہوں نے کہا تو وہ اُٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

اگلے دن صبح اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ کیونکہ اماں جی اور میمونہ بھابی دونوں نہیں تھیں اور اس کا کالج جانا ناگزیر تھا۔ بچوں کو تو اس نے آرام سے اسکول بھیج دیا۔ اس کے بعد مسئلہ دوسرے کاموں کا تھا، خصوصاً بچوں کے اسکول سے واپس آنے پر انہیں اٹینڈ کرنا اور وقت تک وہ کالج سے نہیں لوٹتی تھی۔

"کیا بات ہے تمہیں کالج نہیں جانا!" عدیل بھائی نے اسے تیار نہ دیکھ کر پوچھا روزانہ صبح وہ انہی کے ساتھ جاتی تھی۔

"کیا کروں بھائی! جانا بھی ضروری ہے۔" وہ پریشانی سے گویا ہوئی۔

"پھر کیا مسئلہ ہے؟"

"اماں جی اور بھابی نہیں ہیں۔ بچے اسکول سے آئیں گے تو پریشان ہوں گے، کیا کروں، چھٹی کر لوں؟"

"نہیں چھٹی کرنے سے تمہارا نقصان ہوگا۔ ایسا کرو نبیلہ بھابی سے کہہ آؤ۔ وہ دیکھ لیں گی۔ بچوں کو۔" عدیل بھائی بڑے آرام سے کہہ کر تیار ہونے چلے گئے اور وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

"ناممکن۔ نبیلہ بھابی ایک اپنے بچے کا تو خیال کرتی نہیں ہیں۔"

اس نے نبیلہ بھابی کے پاس جانے کا خیال جھٹک دیا اور اباجی کے پکارنے پر کچن سے نکل کر برآمدے میں آئی تو وہ کہنے لگے۔

"بیٹا! بچوں کی فکر نہیں کرو، میں ہوں ناں!"
"لیکن اباجی! آپ کھانا تو نہیں پکا سکتے اور بچے تو آتے ہی کھانا مانگیں گے۔"
"کھانا بازار سے آجائے گا اور خلیل میاں بھی ابھی ہاسپٹل کا چکر لگا کر آجائیں گے۔ کوئی پریشانی نہیں ہوگی، تم جاؤ۔"
اباجی نے اسے اطمینان دلایا، ادھر سے عدیل بھائی چلائے۔
"جلدی کرو آسیہ! صرف دس منٹ ہیں۔"
"دس منٹ!" وہ تیار ہونے اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔

✿ ..... ✿ ..... ✿

اور جب یہ طے ہو گیا تھا کہ وہ صرف اس لڑکی کی خاطر میلوں مسافت طے کر کے آیا تھا تو اب یہ خود اس نے طے کر لیا تھا کہ اس تک رسائی حاصل کیے بنا وہ واپس نہیں جائے گا کیونکہ گزشتہ شام اس نے جتنی بار واپسی کا قصد کیا اسے لگا وہ کل پھر آئے گا اور روزانہ شاہ پور سے آنا جانا اس کے لیے کوئی اتنا مشکل تو نہیں تھا لیکن بس یہ خیال کہ وہاں بابا جان اسے کسی کام میں مصروف کر سکتے تھے اور وہ جانتا تھا کہ اب وہ کوئی کام نہیں کر سکے گا جب تک اس کے بارے میں جان نہ لے۔

وہ جو کوئی بھی تھی پہلی نظر میں نہ صرف اسے اچھی لگی بلکہ اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی اور شاہ سکندر حیات کے لیے یہ تھی تو حیران کن بات۔ اس کے ساتھ وہ اپنی کیفیات سے لطف بھی لے رہا تھا اور اسے عجیب سا بھی لگ رہا تھا۔ کیونکہ اس نے صنف نازک کو کبھی اتنی اہمیت نہیں دی تھی۔ حالانکہ وہ کوئی کھردرا یا جذبات سے عاری شخص نہیں تھا۔ البتہ مغرور ضرور تھا اور شاید یہ اس کا حق بھی تھا بے پناہ وجاہت کے ساتھ نوابزادوں جیسی شان و شوکت ہر ایک کے حصے میں تو نہیں آتی۔ پھر خود سے واقف بھی تھا جانتا تھا کہ جس راستے پر قدم رکھتا ہے وہ خود پر رشک کرتا ہے بہر حال یہ اس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ وہ خود کسی لڑکی کی تلاش میں جا رہا تھا۔ پوری تدبیر کے ساتھ اور یہ تہیہ کر کے کہ اپنی تین راتوں کی بے خوابی اور دنوں کا اضطراب اس کے کھاتے میں ڈال آئے گا۔

اتنا زعم۔ یعنی اسے یقین تھا کہ اسے دیکھ کر وہ اپنی نیندیں گنوا بیٹھے گی۔

اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ وہ میڈیکل کالج کی اسٹوڈنٹ ہے کیونکہ اول روز وہ سفید کوٹ میں نظر آئی تھی، اور کل اسے دیکھنے کے بعد یہیں سے اس نے نائلہ کو پک کیا تھا اور وہ چاہتا تو نائلہ کے ذریعے آسانی سے اس کا نام پتا جان سکتا تھا لیکن اپنے دل پر گزرنے والی واردات میں فی الحال وہ کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتا تھا پھر اس جستجو کا ایک الگ مزہ تھا۔

گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے گاڑی کی اسپیڈ کم کر دی پھر جیسے ہی سامنے دیکھا وہ بہت عجلت میں روڈ کراس کرتی نظر آئی، اور اسی پل وہ اسپیڈ بڑھا کر گاڑی یوں اس کے قریب لے گیا جیسے اسے کچلتا ہوا نکل جائے گا۔ حقیقتاً دیکھنے والوں کو بھی یہی لگا اور وہ جو اسی طرف دیکھ کر چل رہی تھی، وہ ایک گاڑی کو اتنی اسپیڈ سے اپنی طرف آتے دیکھ کر بوکھلا گئی اور بہت کوشش سے بھی اپنے حواس قابو میں نہیں رکھ سکی ادھر ادھر کتنی گاڑیوں کے بریک چرچرائے اور اس نے بھی گاڑی روکی تو لیکن اسے ہلکی سی ضرب لگانے کے بعد۔

پھر بجلی کی سی تیزی سے اتر کر اس کے قریب آیا تو تپتی ہوئی سڑک پر گرتے ہی وہ بے ہوش ہو چکی

تھی اس کے گرد لوگ جمع ہونے لگے تب اس نے جلدی سے اسے بازوؤں پہ اٹھایا اور اپنی گاڑی کی پچھلی نشست پر لٹا دیا پھر ایک ہی نظر میں سب کو دیکھ کر بولا۔

''زیادہ چوٹ نہیں ہے میں انہیں ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی ڈرائیونگ پر بیٹھ کر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی اور راستے میں جو پہلا کلینک نظر آیا وہ وہیں رک گیا۔

ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد اسے طبی امداد ملنے تک وہ قدرے بے چین رہا پھر سکون سے ہو کر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے کے ساتھ اس کا تفصیلی جائزہ لینے لگا، کہ آخر اس میں ایسی کیا بات ہے اور کوئی بات تو تھی جو اس کی جستجو بڑھتی جا رہی تھی کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے۔

وہ اگر بیڈ پر بے حس و حرکت پڑی تھی تو وہ بھی اپنی جگہ جم کر رہ گیا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں وہاں زندگی ہے ہی نہیں محسوس کی جانے والی خاموشی تھی مگر اس کی پلکوں نے ذرا سی حرکت کی تو جیسے ہر شے متحرک ہو گئی۔

وہ جو ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا تیزی سے اس کے بیڈ کے قریب آ گیا دوسرے پل اس نے آنکھیں کھولیں تو نظروں کے عین سامنے ایک اجنبی کو دیکھ کر فوری طور پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا بلکہ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی تب بیڈ کی پٹی پر ایک ہاتھ جما کر وہ قدرے جھک کر پوچھنے لگا۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی؟ گو کہ اس کی آواز دھیمی تھی، پھر بھی اس کا سویا ہوا ذہن یکلخت بیدار ہونے کے ساتھ بے شمار سوالات کی زد میں آ گیا۔ بولی تو پیشانی پر ہلکی سی ناگواری کی شکنیں نمودار ہو گئیں۔

''کون ہیں آپ؟''

''خاکسار کو سکندر کہتے ہیں۔ شاہ سکندر حیات۔''

گھنی مونچھوں تلے اس کے لبوں پر بڑی دلکشی مسکراہٹ تھی کہ وہ اندر ہی اندر جز بز سی ہو کر اس پر سے نظریں ہٹا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، پھر اٹھنا چاہتی تھی کہ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''پلیز، ابھی آپ آرام کریں۔''

''شکریہ، میں ٹھیک ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گئی اور کہیں چوٹ کا احساس ہوا تو لیکن قصداً اس نے خود کو دیکھنے اور جاننے کی کوشش نہیں کی۔

''ابھی آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ پلیز آپ!''

''مجھے یہاں کون لایا ہے؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر پوچھنے لگی۔

''ظاہر ہے میں اور پلیز اب آپ یہ مت کہیے گا کہ کیوں لائے ہیں مجھے وہیں مر جانے دیتے وغیرہ وغیرہ۔''

اس نے کہا تو وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی، تب سکندر حیات سوچ کر بولا۔

''میرا خیال ہے میں ڈاکٹر کو لے آؤں۔ وہی بتائیں گے کہ آپ گھر جا سکتی ہیں یا نہیں؟''

وہ خاموش رہی اور جب وہ کمرے سے نکل گیا تب اپنے بدن کو جگہ جگہ سے چھو کر دیکھنے لگی کہ کہاں چوٹ آئی ہے۔ بایاں بازو کلائی سے کہنی تک چھل گیا تھا اور گاڑی کی ٹکر کے باعث کمر میں شدید درد کا احساس ہو رہا تھا۔ اور ابھی وہ ٹھیک سے دیکھ نہیں پائی تھی کہ کوریڈور میں قدموں کی آواز سن کر دوبارہ اسی طرح بیٹھ گئی سکندر حیات ڈاکٹر کے ساتھ اندر آیا اور خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"کہیں تکلیف تو نہیں ہے؟" ڈاکٹر نے معائنہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔
"کمر میں درد ہے اور شاید میرے پیر میں موچ آ گئی ہے۔"
وہ یوں بولی جیسے پیر کی موچ اسے تکلیف کے ساتھ شدید کوفت میں مبتلا کر رہی ہو۔ ڈاکٹر نے چیک کرنے کے بعد اس کے شبے کی تصدیق کی پھر میڈیسن لکھنے کے ساتھ سکندر حیات سے کہنے لگا۔
"کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ شکر کریں معمولی ایکسیڈنٹ تھا یہ میڈیسن فوراً لے لیں اور چاہیں تو ابھی انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔"
وہ ڈاکٹر کی آخری بات پر سٹپٹا کر دیکھنے لگی۔
"تھینک یو!" سکندر حیات نے ڈاکٹر کے ہاتھ سے پرچا لے لیا پھر اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گیا تو وہ خود کو دوبارہ اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے لگی۔
کچھ دیر بعد وہ پورے اعتماد سے کمرے میں داخل ہوا جیسے وہ اس کی قریبی عزیز ہو لیکن جب اس پر نظر پڑی تو ٹھٹھک گیا کیونکہ اس کے ہر انداز سے ناگواری ظاہر ہو رہی تھی۔
"آئی ایم سوری، میں ناک کرنا بھول گیا۔" وہ کچھ نہیں بولی تو قدرے رُک کر کہنے لگا۔
"اب کیا پروگرام ہے آپ کا۔ میرا مطلب ہے گھر چلیں گی تو چلیں، میں آپ کو چھوڑ دوں؟"
"بہت بہت شکریہ سکندر حیات صاحب! آپ کو پہلے ہی اتنی زحمت اٹھانا پڑی۔"
اسے رسمیات نبھانے کا خیال آیا تو فوراً اپنی ناگواری چھپا گئی۔
"مجھے بالکل زحمت نہیں ہوئی مس۔" وہ بظاہر سیدھے سادے انداز میں کہہ کر رُکا اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو وہ جیسے ناچار بولی تھی۔
"آسیہ۔" پہلے مرحلے کی کامیابی پر اس کی آنکھیں ایک لحظہ کو چمکیں پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگا۔
"میرا خیال ہے مس آسیہ! مجھے آپ کو گھر تک چھوڑنے میں کوئی زحمت نہیں ہوگی۔"
"ہو سکتا ہے، پھر بھی میں چلی جاؤں گی۔" اس نے ایک طرح سے انکار کر دیا۔
"کیسے جائیں گی۔ آپ تو چل بھی نہیں سکتیں میرا مطلب ہے آپ کے پیر میں موچ۔"
اس نے فوراً احساس دلایا تو وہ خاموش ہو کر اپنے پیر کو دیکھنے لگی۔ واقعی چلنا مشکل تھا وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس کے ساتھ جانا مناسب نہیں لگ رہا تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔
"آپ کیا سوچنے لگیں؟" بالآخر اسے ٹوکنا پڑا۔ اندر ہی اندر پریشان ہونے کے ساتھ خود کو یقین بھی دلا رہا تھا کہ اس لڑکی کے پاس اس کے ساتھ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔
"جی!" اس نے چونک کر دیکھا پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔
"کچھ نہیں۔"
"چلیں پھر آپ کے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔"
اس نے کہا تو اسے ایک دم سے گھر کا خیال آیا اور وہ پریشان ہو گئی کیونکہ آج تو یوں بھی اسے جلدی گھر جانا تھا بچے ابا جی کو تنگ کر رہے ہوں گے اور پتا نہیں کھانا بھی کھایا ہوگا کہ نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔
"سوری! میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

اس صاف انکار پر شاہ سکندر حیات کو سخت توہین کا احساس ہوا۔ اس کی پیشانی پر گہری لکیریں نمودار ہوئیں۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتی یا ہوتا تو وہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اسے اٹھا کر باہر پھینک دیتا لیکن اس کے سامنے وہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا اور یہی بے بسی ہی تو اس کی کھوج کا سبب بنی تھی۔ تھوڑی کوشش سے خود پر قابو پا کر قدرے خوشگوار لہجے میں بولا۔

"اوکے، جیسے آپ کی مرضی، اور میرا خیال ہے اس سے پہلے کہ آپ مجھے گیٹ لاسٹ کہیں، مجھے خود ہی چلے جانا چاہیے۔"

"نہیں پلیز کچھ دیر رُک جائیں۔" آسیہ نے کچھ منت سے کہا تو وہ حیران ہو کر دیکھنے لگا سمجھ کچھ نہیں پایا تھا کہ وہ کیوں روک رہی ہے۔ کوئی سوال نہیں کیا تب وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"وہ میری کتابیں اور میرا بیگ؟"

"میری گاڑی میں ہے۔ لے کر آتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے جانے لگا تو وہ فوراً بولی۔

"ایک منٹ، ایک فون کرنا ہے اگر آپ۔"

"جی نمبر بتایئے۔" وہ دروازے کے قریب رُک کر پوری توجہ سے دیکھنے لگا تو نمبر بتا کر کہنے لگی۔

"عدیل صاحب ہوں گے ان سے کہیے گا، مجھے یہاں سے لے جائیں۔"

"عدیل صاحب۔" اس نے سوچتے ہوئے انداز میں دہرایا اور کمرے سے نکل گیا۔ تو وہ بیڈ کی پٹی پر سر رکھ کر سوچنے لگی۔

یعنی یہ حادثہ بھی آج ہی ہونا تھا کتنے پریشان ہو رہے ہوں گے ابا جی اور بچے۔ پریکٹیکل کے دنوں میں بھی وہ اتنی لیٹ نہیں ہوتی تھی۔ بہت دیر ہو گئی۔

اس نے وقت دیکھنے کے لیے کلائی پر نظر ڈالی۔ گھڑی نہیں تھی۔ اور پہلا خیال یہی آیا کہ وہیں روڈ پر کہیں گر گئی ہوگی۔ اسے افسوس نہیں بلکہ دکھ ہونے لگا کیونکہ وہ گھڑی اسے بہت عزیز تھی۔ جب اس نے میٹرک میں فرسٹ کلاس تھرڈ پوزیشن لی تھی تب ابا جی نے اسے دی تھی۔ گو کہ اس کے بعد مختلف موقعوں پر بھائیوں نے اسے بہت اچھی اور خوبصورت گھڑیاں دی تھیں لیکن اس سب سے پہلی اور ابا جی کی دی ہوئی گھڑی کی اہمیت اس کے نزدیک سب سے زیادہ تھی کہ اسے دیکھتے ہوئے جہاں وہ اپنی پہلی شاندار کامیابی پر اسی روز کی طرح مسرور ہوتی وہاں اس کے اندر مزید کامیابیاں حاصل کرنے کا عزم پختہ ہو جاتا تھا۔ گزشتہ چھ سالوں سے وہ اس کی ساتھی تھی۔ اپنی خالی کلائی کو بہت نرمی سے وہ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے چھونے لگی۔ مغا خیال آیا کہ وہ جو عدیل بھائی کو فون کرنے گیا تھا وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔

"کہیں چلا تو نہیں گیا؟"

وہ اس کے جانے کا سوچ کر کچھ الجھنے لگی کیونکہ یہی بہت تھا کہ وہ اسے یہاں تک لایا تھا۔ اس کے بعد میڈیسن اور ڈاکٹر کی فیس غالباً اس نے ادا کر دی تھی اور اس نے عدیل بھائی کو بلایا ہی اس لیے تھا کہ وہ جو خرچ کر چکا ہے اسے لوٹا دیں۔ خوامخواہ ایک اجنبی کا مقروض ہونا اسے بالکل اچھا نہیں لگا۔ اور اگر وہ چلا گیا ہوگا تو واقعی بہت مشکل ہو جائے گی وہ اسی نہج پر سوچ رہی تھی کہ کوریڈور میں قدموں کی آواز سن کر فوراً دروازے کی طرف دیکھنے لگی کچھ دیر بعد وہ عدیل بھائی کے ساتھ اندر داخل ہوا تو اسے کچھ اطمینان ہوا۔

"کیا ہوا آسیہ؟ تم خیریت سے تو ہو؟"

عدیل بھائی کی پریشانی فطرتی تھی۔ لپک کر اس کے پاس بیٹھے اور سر سے پاؤں تک اسے دیکھنے لگے۔

"میں ٹھیک ہوں بھائی، زیادہ چوٹ نہیں آئی۔" اس نے مسکرا کر عدیل بھائی کی پریشانی کم کرنے کی کوشش کی۔ پھر کہنے لگی۔ "اگر پیر میں موچ نہ آتی تو میں آپ کو زحمت نہ دیتی۔ خود ہی گھر پہنچ جاتی۔"

"تھینکس گاڈ، لیکن یہ ہوا کیسے، اتنی لاپروا تم نہیں ہو۔" عدیل بھائی نے شکر کرنے کے ساتھ پوچھا۔

"بس وہ۔" وہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ نظر خاموش کھڑے سکندر حیارت پر پڑی تو عدیل بھائی کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

"میرا خیال ہے بھائی! پہلے آپ ان کا شکریہ ادا کریں۔"

اور عدیل بھائی کو جیسے اس کی موجودگی کا احساس ہوا فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر اس کا ہاتھ تھام کر بولے۔

"میں بہت ممنون ہوں شاہ سکندر حیات آپ کا۔ بہت احسان کیا ہے آپ نے ہم پر۔"

"کوئی احسان نہیں۔ آپ پلیز مجھے شرمندہ نہیں کریں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور بالکل اچانک عدیل بھائی سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں اس پر جا ٹھہری تھیں۔

''پتا ہے شہر بانو! کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے شاہ سکندر کو میری ذرہ برابر پروا نہیں ہے بلکہ شاید وہ سرے سے میرے وجود کو ہی تسلیم نہیں کرتا۔''

فوارے کے گرد سنگ مرمر کی بنی چار دیواری کے قریب رُک کر مہر النساء نے افسردگی سے کہا تو شہر بانو چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''پگلی ہو تم، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھائی سکندر کو تمہاری پروا نہ ہو۔''

''ایسا ہی ہے شہر بانو، وہ کسی اور دنیا میں رہتا ہے۔'' مہر النساء نے جھک کر پانی میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

''بھائی سکندر کی دنیا صرف اور صرف تم ہو مہرو! اور تمہاری دنیا سے نکل کر وہ کہیں نہیں جا سکتے۔'' شہر بانو نے اسے یقین دلایا۔

''پھر وہ مجھ سے ناراض کیوں ہے؟'' مہر النساء اس کا یقین کر کے بھی بے یقین سی تھی۔

''جسے تم ناراضگی سمجھ رہی ہو، وہ محبت کا ایک انداز ہے۔'' شہر بانو نے اسے چھیڑا۔

''ٹھیک ہے۔ میں ہارون بھائی سے کہوں گی وہ بھی محبت کا ایسا ہی انداز اپنا لیں۔'' مہر النساء نے فوراً بدلہ اُتارا۔

''ناممکن۔ شاہ ہارون کبھی تمہاری بات نہیں مانے گا۔'' شہر بانو کے لہجے کا زعم بتا رہا تھا کہ اسے اپنی محبت پر کتنا بھروسا ہے۔ مہر النساء نے پانی میں سے ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

''کتنا یقین ہے تمہیں ہارون بھائی پر۔ میں بھی ایسا ہی یقین چاہتی ہوں۔ جو شاہ سکندر نے کبھی میری جھولی میں نہیں ڈالا۔ بتاؤ یہ محبت کا کون سا انداز ہے؟''

''تم ناحق بدگمان ہو رہی ہو مہرو۔ ساری بات مزاج کی ہے۔ کوئی اظہار کرتا ہے اور کسی کو اظہار کرنا

اچھا نہیں لگتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن جذبے کسی اظہار کے محتاج نہیں ہوتے شہر بانو۔ میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ ہارون بھائی نے کبھی تم سے یہ نہیں کہا ہوگا کہ انہیں تم سے محبت ہے۔ اس کے باوجود تمہیں ان کی محبت کا یقین ہے۔ بتاؤ کیوں؟"

مہر النساء براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوالیہ نشان بن گئی۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔"

شہر بانو کو کوئی جواب نہیں سوجھا تو دامن بچایا۔ اور مہر النساء ذرا سا ہنسی۔ تاسف بھری ہنسی تھی جس پر شہر بانو اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولی۔

"سنو! میں پھر کہوں گی کہ تم ناحق بدگمان ہو رہی ہو کیا سکندر بھائی کی انگلی میں تمہارے نام کی انگوٹھی نہیں ہے۔"

"ایک اسی خیال کے سہارے تو اپنے تمام خدشات کو مات دینے میں لگی ہوئی ہوں۔"

مہر النساء کے لہجے کی شگفتگی چھپائے نہیں چھپی۔ دوبارہ پانی پر جھکنا چاہتی تھی کہ گیٹ سے داخل ہوتی گرے لینڈ کروزر کو دیکھ کر اپنا دوپٹا سنبھالنے میں لگ گئی۔ اس کے ہر انداز سے گھبراہٹ عیاں تھی جسے محسوس کر کے شہر بانو نے پلٹ کر دیکھا۔ شاہ سکندر حیات گاڑی سے اتر رہا تھا۔ تب کچھ سوچ کر شہر بانو نے اسے اس طرف آنے کا اشارہ کیا پھر مہر النساء کی طرف پلٹ کر سرگوشی میں بولی۔

"دیکھ لو۔ کچی ڈور سے بندھے چلے آ رہے ہیں۔"

"کون؟" مہر النساء نے چونک کر اسے دیکھا۔

"جن سے اتنی بدگمان ہو۔" شہر بانو نے شرارت سے کہا اور جواب میں وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سکندر حیات کے قریب آنے پر ذرا سا رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"السلام علیکم بھائی۔" شہر بانو نے فوراً سنبھل کر اسے سلام کیا۔

"وسلام۔ کیسی ہو؟" سکندر حیات نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں بھائی۔ البتہ لوگوں کو آپ سے بڑی شکایتیں ہو گئی ہیں۔"

شہر بانو کا اشارہ مہر النساء کی طرف تھا۔ وہ سمجھ گیا اور اتفاق سے بہت اچھے موڈ میں تھا بلکہ سرمستی کے عالم میں جب ہی شوخی سے بولا۔

"لوگ براہ راست شکایت کریں تو بات بھی بنے۔"

"ابھی بات بن جاتی ہے۔" شہر بانو ہنستے ہوئے بولی اور مہر النساء کو کندھوں سے تھام کر اس کی طرف موڑنا چاہتی تھی لیکن مہرو جلدی سے اس کا ہاتھ ہٹا کر چند قدم آگے چلی گئی کیونکہ اس طرح وہ شاہ سکندر حیات کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ جب دل پوری قوت سے دھڑکنے لگا تھا اور اپنے چہرے پر اتری قوس قزح وہ خود بھی محسوس کر رہی تھی شاہ سکندر نے بہن کو دیکھ کر ذرا سے کندھے اچکائے پھر بی بی جان کا پوچھ کر اندر چلا گیا تب شہر بانو نے لپک کر زور سے مہر النساء کے بازو میں چٹکی کاٹی۔

"اب بتاؤ، کون کس سے ناراض ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" اپنی دھڑکنوں پر قابو پانے میں مصروف مہر النساء دھیرے سے بولی۔

"بڑی بے ایمان ہو تم۔ خوامخواہ میرے بھائی پر شک کرتی ہو۔" شہر بانو اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر بولی۔ اسے وہم سے نکالنا چاہتی تھی کہ شاہ سکندر کو اس کی پروا نہیں اور وہ چھیڑ کر بولی۔

"خوامخواہ تو نہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" شہر بانو نے آنکھیں نکالیں تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ بڑی دلآویز ہنسی تھی۔

❀ ❀ ❀

وہ جوان دنوں اپنی کوئی ایک کلاس مس نہیں کرنا چاہتی تھی پیر میں موچ کے باعث تین دن سے بستر پر پڑی تھی اور بے حد جھنجلا کر سوچ رہی تھی کہ اگر اس روز کالج نہ جاتی تو حادثہ بھی نہ ہوتا لیکن زندگی میں آنے والے حادثوں کو کون روک سکتا ہے۔ اس روز نہ سہی پھر کسی دن یہ حادثہ تو اس کے ساتھ ہونا ہی تھا جس میں کسی گاڑی سے ٹکرانا شرط نہیں۔ اس کے ساتھ بس اتفاق تھا ورنہ اصل حادثے کی خبر تو کسی کو نہیں تھی جو اس کی نیندیں اڑا لے گیا تھا۔ اس وقت اس سے ہٹ کر وہ صرف اپنے تعلیمی نقصان کا سوچ کر جھنجلا رہی تھی ظاہر ہے میڈیکل میں اس کا آخری سال تھا۔

"پھوپھو! کیا بہت درد ہو رہا ہے۔"

اس کی جھنجلاہٹ سے نبیل یہی سمجھا کہ وہ درد سے بے چین ہو رہی ہے۔ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر یوں پوچھنے لگا جیسے اس کی تکلیف کو محسوس کر رہا ہو۔

"نہیں بیٹا! کوئی درد ورد نہیں ہو رہا۔" وہ بچے کی اتری شکل دیکھ کر قصداً مسکرائی۔ "دیکھو بالکل ٹھیک ہوں میں۔ بس ذرا چلنے میں پاؤں میں تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے صبح تک وہ بھی نہیں ہو گی پھر میں آرام سے کالج جا سکوں گی۔"

"نہیں پھوپھو! اب آپ کالج نہیں جائیں۔"

"کیوں؟" وہ سمجھ گئی تھی نبیل کیوں منع کر رہا ہے پھر بھی انجان بن کر پوچھا۔

"پھر آپ کی ٹکر ہو جائے گی۔" نبیل کا خدشہ فوراً ظاہر ہو گیا۔

"ارے نہیں میری جان! بار بار تھوڑی ایسا ہوتا ہے۔" اس نے نبیل کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا اور اس کے گرد اپنے دونوں بازو لپیٹ کر معاً کسی خیال میں گھر کر بولی۔

"وہ تو جس سے ٹکرانا ہوتا ہے۔ بس اسی سے ٹکر ہوتی ہے اور پتا نہیں دوبارہ کبھی۔ لاحول ولاقوۃ یہ تم نے مجھے کہاں الجھا دیا۔ جاؤ دیکھو احمر اور سونیا کیا کر رہے ہیں۔"

نبیل نے حیران ہو کر اسے دیکھا پھر چپ چاپ کمرے سے نکل گیا تو اپنی حماقت پر پہلے اس نے خود کو ٹوکا پھر آپ ہی آپ ہنس پڑی۔

گزشتہ تین دنوں سے اس سے ایسی ہی حماقتیں سرزد ہو رہی تھیں۔ بات کرتے کرتے اچانک ذہن بھٹک جاتا اور پھر اسے پتا ہی نہ چلتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور یہ بھی غنیمت تھا کہ ابھی زیادہ تر بچے ہی اس کے آس پاس رہتے تھے۔ میمونہ بھابی تو ہاسپٹل سے آ کر ابھی اپنے کمرے تک ہی محدود تھیں اور بے چاری اماں جی کو گھر کے سارے کام کرنے پڑ رہے تھے۔ کسی وقت اس کے کمرے میں آ کر کھڑے کھڑے اس کا احوال پوچھ جاتیں۔ رات میں پتا نہیں کیسے نبیلہ بھابی بڑی فراغت سے اس کے پاس آ بیٹھیں۔ کتنی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں پھر اس سے آئندہ کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

"یہ تمہارا آخری سال ہے اس کے بعد کیا کرو گی؟"

"ظاہر ہے ہاؤس جاب۔" اس نے سیدھا سادہ جواب دیا تو نبیلہ بھابی نخوت سے بولیں۔

"مشکل ہے۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے تمہارے ہاں لڑکیاں سارا پڑھا لکھا چولہے میں جھونکتی ہیں۔"

اس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا اور وہ مزید گویا ہوئیں۔

"تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ ادھر امتحانوں سے فارغ ہوئی نہیں کہ اماں جی اور اباجی تمہاری شادی کی فکر میں لگ جائیں گے، ہے ناں؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ زچ سی ہو کر بولی۔

"یہی تو غلط ہے۔ پڑھ لکھ کر بھی وہی جاہلوں جیسی بات کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

نبیلہ بھابی پہلے تیز ہو کر بولیں پھر جیسے موڈ میں آ کر اسے سمجھانے لگیں۔

"دیکھو، تم بہت ذہین لڑکی ہو۔ اپنے پیشے میں بہت نام کما سکتی ہو۔ تمہیں گائے بکری بننے کی ضرورت نہیں ہے کہ ماں باپ جس کھونٹے سے چاہیں باندھ دیں۔ تمہیں اپنے بارے میں سوچنے کا حق ہے اور اس حق کو ضرور استعمال کرنا سمجھ رہی ہو ناں۔"

وہ ایک لفظ بھی تک نہیں کہہ سکی۔ کچھ گم صم سے انداز میں دیکھے گئی۔ تب نبیلہ بھابی اس کا ہاتھ دبا کر کہنے لگیں۔

"مجھے غلط مت سمجھو۔ میں تمہیں اکسا نہیں رہی بلکہ تم پر تمہاری اہمیت واضح کر رہی ہوں۔ میٹرک سے پوزیشن لیتی آ رہی ہو۔ مزید کامیابیاں تمہاری منتظر ہیں۔ اسکالرشپ پر ایف آر سی ایس کے لیے باہر جا سکتی ہو لیکن میں جانتی ہوں اماں جی اور اباجی ہرگز تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔ اس کے برعکس دیکھنا وہ تمہاری شادی

کہنے لگیں۔

"مجھے غلط مت سمجھو۔ میں تمہیں اکسا نہیں رہی بلکہ تم پر تمہاری اہمیت واضح کر رہی ہوں۔ میٹرک سے پوزیشن لیتی آ رہی ہو۔ مزید کامیابیاں تمہاری منتظر ہیں۔ اسکالرشپ پر ایف آر سی ایس کے لیے باہر جا سکتی ہو لیکن میں جانتی ہوں اماں جی اور ابا جی ہرگز تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔ اس کے برعکس دیکھنا وہ تمہاری شادی پر زور دیں گے اور میں یہ نہیں کہہ رہی کہ شادی نہیں کرنا، ضرور کرنا لیکن ایسے شخص کے ساتھ جو تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کے ساتھ انہیں استعمال کرنے کی تمہیں پوری آزادی دے اور ایسا شخص تمہارا ہم پیشہ ہی ہو سکتا ہے۔"

انہوں نے کچھ دیر خاموش ہو کر تولتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر رازداری سے پوچھنے لگیں۔

"اس عرصے میں کسی نے پرپوز تو کیا ہوگا تمہیں؟" اسے بہت شرم آئی کیونکہ نبیلہ بھابی کے ساتھ اس کی بے تکلفی نہیں تھی۔ سر جھکا کر دھیرے سے بولی۔

"نہیں بھابی!"

"اس میں قصور کس کا ہے؟ سراسر تمہارا کیونکہ کتابوں سے ہٹ کر کبھی ادھر اُدھر دیکھا ہی نہیں ہوگا تم نے۔"

نبیلہ بھابی یوں افسوس سے بولیں جیسے اس نے وقت گنوایا ہو۔

"شاید ایسا ہی ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔

"شاید نہیں یقیناً۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں تمہیں اور بتاؤ تو کون سا تمغہ مل جائے گا تمہیں یا ڈگری کے ساتھ اعزازی سند ملے گی۔"

نبیلہ بھابی جل کر بولیں اور وہ بمشکل اپنی ہنسی روک پائی پھر ایک طرح سے اپنی جان چھڑانے کی خاطر ان کے ہاتھ تھام کر بولی۔

''بھابی! آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا ضرورت ہے اپنے بارے میں سوچنے کی؟''

''صدقہ تمہاری سعادت مندی کے۔'' نبیلہ بھابی کا انداز بتا رہا تھا کہ انہیں اس کی بات پسند نہیں آئی۔

مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئیں پھر دروازے تک جا کر پلٹ کر بولیں۔

''سنو! میری باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنا۔''

''جی!'' اس نے فوراً سر ہلایا اور ان کے جاتے ہی گہری سانس کھینچ کر بیڈ کی پٹی پر سر رکھ لیا۔ اسے نبیلہ بھابی کی باتوں سے اختلاف نہیں تھا لیکن اتفاق کرتے ہوئے بھی وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ گزشتہ چار سالوں میں اس نے کتابوں سے ہٹ کر کبھی ادھر ادھر دیکھا ہی نہیں تھا اور گو کہ ابھی وقت اس کی دسترس میں تھا لیکن اب وہ کہاں دیکھتی۔ یہاں وہاں ہر طرف ایک ہی چہرہ تھا۔ جس کے بارے میں وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ اس کا نام شاہ سکندر حیات ہے حالانکہ اس روز وہ کلینک سے ہی رخصت نہیں ہو گیا تھا بلکہ اسے اور عدیل بھائی کو گھر تک چھوڑنے آیا تھا اور عدیل بھائی اس سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ نہ صرف اسے بٹھایا بلکہ اس کی خاطر مدارت بھی کی تھی ابا جی بھی اس سے ملے تھے اور ظاہر ہے اس نے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا ہو گا لیکن وہ کیونکہ اس روز سے اپنے کمرے ہی تک محدود تھی اس لیے کچھ زیادہ نہیں جان سکی تھی۔ البتہ اپنے آپ اُس کے بارے میں بہت کچھ سوچ ڈالا تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ اس کی ہر سوچ پر اپنا نام لکھ گیا تھا۔

✿.....✿.....✿

کلاسز آف ہوتے ہی اس نے لائبریری کا رُخ کیا۔ پانچ دن کی غیر حاضری سے واقعی اس کا بہت نقصان ہوا تھا۔ اور اماں جی تو آج بھی اسے نہیں آنے دے رہی تھیں لیکن وہ ضد کر کے چلی آئی ساتھ ہی اماں جی سے یہ بھی کہہ آئی تھی کہ اس کی واپسی دیر میں ہو گی کیونکہ اسے گزشتہ دنوں کے نوٹس اتارنے تھے۔

لائبریری میں اس وقت خاصا سکون تھا۔ جتنے اسٹوڈنٹس موجود تھے سب اپنے کام میں مصروف تھے۔ وہ ایک نظر میں سب کا جائزہ لے کر آخری ٹیبل پر آ بیٹھی اور فائل کھول کر اپنے کام میں مصروف ہوئی تو وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ چار بج چکے تھے اور مسلسل لکھتے لکھتے اس کی انگلیاں دکھنے لگی تھیں پھر بھی اس نے ہاتھ نہیں روکا کیونکہ اب دو تین صفحے لکھنے رہ گئے تھے اور کل پر چھوڑنے کے بجائے اس نے سوچا اسی وقت مکمل کر لے۔ وقت گزرنے کا احساس بھی تھا جبھی وہ اور تیز ہاتھ چلانے لگی۔ تبھی اس کی نظروں کے عین سامنے وہ گھڑی آ گئی جس کے کھونے یا کہیں روڈ پر گرنے کا ملال اس کے اندر سے رخصت نہیں ہوتا تھا اس کا چلتا ہوا ہاتھ رُک گیا اور بے اختیار سر اونچا کیا تو بہت قریب شاہ سکندر حیات ہونٹوں میں دلفریب مسکراہٹ دبائے کھڑا تھا۔

''آ.....'' سراسیمہ سی آپ کہنے کی کوشش میں اس کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے۔

''جی شاہ سکندر حیات!'' وہ ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر ذرا سا جھکا تو وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر اپنی گھڑی ہاتھ میں لے کر پوچھنے لگی۔

''یہ آپ کو کہاں سے ملی؟''

''اس روز میرے پاس رہ گئی تھی بلکہ میں نے قصداً اپنے پاس رکھ لی تھی۔'' شاہ سکندر نے صاف گوئی سے کہا۔

''کیوں؟''

''دوبارہ ملاقات کو بہانہ چاہیے تھا۔'' اتنی جرأت پر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا لیکن وہ کمزور

لڑکی نہیں تھی نہ ہی اتنی جلدی خود کو اس پر عیاں کرنا چاہتی تھی جب ہی لہجے میں قدرے ناگواری سمو کر بولی۔

"کیوں؟"

"یہ تو آپ اپنے آپ سے پوچھیں۔" وہ کہتے ہوئے اس کے دائیں جانب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تو اس نے ایک لمحے کو اسے دیکھا پھر گویا بات ختم کرنے کی غرض سے بولی۔

"بہر حال آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"کس بات کا؟"

"گھڑی لوٹانے کا۔" وہ کچھ بے نیازی سے کہہ کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ انداز ایسا تھا جیسے ابھی اٹھ کر چل دے گی۔ اور واقعی فائل سینے سے لگا کر کھڑی ہوگئی تو وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

"سنیں مس! میں اتنی دور سے آپ کو صرف گھڑی لوٹانے نہیں آیا۔" وہ پھر کچھ کہتے کہتے رہ گئی اور ادھ ادھر دیکھ کر بولی۔

"میرا خیال ہے یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" وہ فوراً کھڑا ہوگیا دونوں باہر نکل کر آئے تب وہ کہنے لگا۔

"میں پہلے آپ کے گھر گیا تھا، وہاں آپ کے ابا جی سے ملاقات ہوئی۔ ان سے میں نے آپ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا آپ یہاں ملیں گی۔"

"جی!" وہ واقعی بے حد حیران ہوئی۔ "آپ نے ابا جی سے میرے بارے میں پوچھا۔"

"کیوں نہیں پوچھنا چاہیے تھا؟"

وہ بظاہر بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں چمکتی شوخی چھپی نہیں رہ سکی جس پر وہ خفگی سے دیکھنے لگی تو ذرا سا ہنس کر وہ کہنے لگا۔

"بس ذرا سی غلطی ہوگئی ہے اصل بات کچھ یوں ہے کہ میں نے آپ کے ابا جی سے آپ کی خیریت معلوم کی تھی جس پر انہوں نے بتایا کہ آپ اب بالکل ٹھیک ہیں اور آج کالج بھی گئی ہیں۔"

"اور آپ سیدھے یہاں چلے آئے؟" وہ فوراً بولی۔

"برا لگا آپ کو میرا آنا؟"

ایک پل میں وہ اسے اپنی گرفت میں لے گیا اور اس کے لیے خود کو چھپانا ممکن نہیں رہا۔ جان گئی خواہ کتنی بھی کوشش کر لے کامیابی نہیں ہوگی۔ سر جھکا کر دھیرے سے بولی۔

"نہیں۔"

"شکریہ۔" وہ بے حد سرشار ہوگیا پھر اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "چلیے آپ کو گھر ڈراپ کر دوں۔"

"تھینکس۔ میں چلی جاؤں گی۔" اس نے سہولت سے منع کیا تو شاہ سکندر نے مزید اصرار نہیں کیا اور کچھ دیر رک کر کہنے لگا۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے لیکن ابھی نہ وقت ہے نہ یہ جگہ مناسب ہے، میں پھر آؤں گا۔ کب؟ دن اور وقت آپ بتا دیں۔ جگہ میں طے کروں گا۔"

اس کی بات پر وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ وہ جذباتی لڑکی نہیں تھی جو آنکھ بند کر کے اس کی بات مان

لیتی اور مشکل یہ تھی کہ اسے مایوس بھی نہیں کرنا چاہتی تھی بہت سوچ کر بولی۔

''میرا خیال ہے، آپ میرے گھر کا راستہ دیکھ چکے ہیں۔ کسی دن بھی آجایئے۔''

''آپ نے شاید ٹھیک سے میری بات سنی نہیں۔ جگہ میں طے کروں گا۔ آپ صرف دن اور وقت بتائیں۔'' اس نے زور دے کر کہا تو وہ بے بسی سے بولی۔

''میں نہیں بتا سکتی۔'' اور اس نے کیوں کا سوال ہی نہیں اٹھایا خود ہی طے کر کے بولا۔

''ٹھیک ہے آج ہی کے دن۔ جب گھڑی کی سوئیاں AM سے نکل کر PM کی طرف پہلا قدم بڑھائیں گی۔ یاد رکھیے گا۔ خدا حافظ۔''

وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور بہت خاموشی سے اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی تب اپنے اطراف دیکھتے ہوئے وہ جیسے ہوش میں آگئی۔ اور گھر آنے تک وہ یہ سوچ کر خود کو سخت سُست کہتی رہی کہ اتنی دیر باتیں کرنے کے باوجود بھی وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جان سکی تھی۔ یعنی ابھی بھی وہ اس کے لیے سوالیہ نشان بنا ہوا تھا پھر گھر کے گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے معاً اُسے یاد آیا کہ اس کے پاس آنے سے پہلے وہ یہاں سے ہو کر گیا ہے اس نے تو یہی کہا تھا اب پتا نہیں سچ کہا تھا یا محض اسے چھیڑنا مقصود تھا۔ وہ بہر حال کچھ کنفیوز سی ہوگئی کہ اس کی آمد کو کہیں کوئی اس سے تو منسوب نہیں کر رہا۔ یہ شاید اس کے دل کا چور تھا جو وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

کپڑے بدلنے اور منہ ہاتھ دھونے میں قصداً دیر لگائی اس کے بعد بالوں میں برش کر رہی تھی کہ میمونہ بھابی اس کے لیے چائے لے کر آگئیں۔ وہ سچ مچ بے حد شرمندہ ہوئی۔

''آپ بھی کمال کرتی ہیں بھابی۔ میں خود بنا لیتی۔''

''اتنی تو تھکی ہوئی آئی ہو۔'' میمونہ بھابی کپ کارنر پر رکھ کر آرام سے اس کے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ تو وہ پوچھنے لگی ''وہ چھوٹا کہاں ہے؟''

''اماں جی کے پاس تیل کی مالش کر رہی ہیں اسے اور ہاں اس چھوٹے کا نام ابا جی نے عمر رکھا ہے۔'' میمونہ بھابی نے بتایا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

''ماشاء اللہ، اور آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہوں، بس ذرا۔'' میمونہ بھابی جانے کیوں خاموش ہوگئیں تو اس نے فوراً ٹوکا۔

''ذرا کیا؟''

''چھوڑو۔ اب کنواری لڑکی سے کیا کہوں۔''

''جناب! یہ کنواری لڑکی تقریباً ڈاکٹر بن چکی ہے۔ بتایئے کیا تکلیف ہے۔'' وہ اپنی اہمیت جتاتے ہوئے فوراً اٹھ بیٹھی اور ان کی کلائی تھامنا چاہتی تھی کہ وہ اپنا ہاتھ کھینچ کر بولیں۔

''بس رہنے دو۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ چلو تم اپنی چائے پیو۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے آپ مجھے۔''

''نہیں نہیں، میں تمہیں پوری ڈاکٹر مان چکی ہوں۔'' میمونہ بھابی نے درمیان ہی میں اس کی بات اُچک لی۔

''تو اس ڈاکٹر کا مشورہ یہ ہے کہ ابھی آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''خدا کے لیے اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو سارا دن اماں جی کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتیں۔ ایمان سے اتنی شرم آتی ہے۔ ابھی عمر کو ان کے حوالے کر کے میں چپکے سے کچن میں آئی تھی۔'' میمونہ بھابی باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولیں۔

''بہت اچھا کرتی ہیں اماں جی اور آپ کو کچن میں کیا کام تھا؟'' اس نے ان کی جھنجلاہٹ کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

''کام تو اب کروں گی۔ یعنی رات کا کھانا پکاؤں گی۔'' میمونہ بھابی نے بھی جیسے اُسے چڑایا لیکن وہ ہنس پڑی۔

''آپ بھی کمال ہیں۔ لوگ تو کام نہ کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔''

''اللہ کا شکر ہے۔ لوگوں کی وہ قسم اس گھر میں نہیں پائی جاتی۔ تم بھی تو چار دن میں بیزار ہو گئی تھیں۔'' میمونہ بھابی نے کہا تو وہ تائید کرتے ہوئے بولی۔

''واقعی۔ وہ تو شکر ہے معمولی چوٹیں تھیں۔ اگر کہیں سیریس ایکسیڈنٹ ہوتا تو۔''

''اللہ نہ کرے۔ ارے ہاں ایکسیڈنٹ پر یاد آیا آج وہ آیا تھا کیا نام ہے اس کا۔ وہ جو تمہیں روڈ سے اُٹھا کر کلینک لے گیا تھا کیا نام تھا بھلا اُس کا؟''

میمونہ بھابی بتا کر اس سے پوچھنے لگیں تو وہ اپنی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں سے گھبرا کر ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''پتا نہیں۔ شاید سکندر۔''

''ہاں سکندر یاد آیا۔ شاہ سکندر حیات۔''

''کیوں؟ میرا مطلب ہے کیوں آیا تھا؟'' اس نے کن انکھیوں سے میمونہ بھابی کو دیکھ کر پوچھا۔

''پتا نہیں، یونہی ملنے چلا آیا ہوگا۔ ابا جی تو بہت تعریف کر رہے تھے اس کی۔''

میمونہ بھابی کا انداز سرسری تھا جس پر وہ قدرے اطمینان سے ہو گئی تھی۔

✿.....✿.....✿

اچانک چھا جانے والی خاموشی کو محسوس کرتے ہی شاہ سکندر حیات چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے بھتیجے بھتیجیاں ابھی یہاں آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے بہت شور مچا رہے تھے اور اب کوئی بھی نہیں تھا۔ شام گہری ہو رہی تھی اور یقیناً انہیں بی بی جان نے اندر بلا لیا ہوگا۔ کیونکہ دونوں وقت ملنے پر بی بی جان خصوصاً بچوں کو بارہ دری کی طرف نہیں جانے دیتی تھیں۔ شاہ سکندر کا ذہن کچھ دیر کو ادھر ادھر بھٹکا پھر وہ یکسوئی سے اس لڑکی کو سوچنے لگا جس سے ملنے کے بعد سے اسے اپنی زندگی میں کچھ ہلچل کا احساس ہونے لگا تھا ورنہ اس سے پہلے سیدھی سپاٹ زندگی جس میں روز مرہ کے معمولات جیسے ہمیشہ سے طے تھے اور بظاہر وہ مطمئن بھی تھا لیکن اب اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خود کو بہلاتا رہا ہے جب بھی اس کے اندر کسی بے نام سی آرزو نے انگڑائی لی، وہ یہ کہہ کر خود کو اطمینان دلاتا کہ کیا کمی ہے۔ میرے پاس سب ہی کچھ تو ہے اور واقعی سب کچھ تھا لیکن دل کی دنیا خالی ویران کھنڈر جس میں مہرالنساء کی محبت بھی کوئی پھول نہیں کھلا سکی تھی۔ حالانکہ وہ بے خبر نہیں تھا۔ لیکن کیا کرتا اس کا دل کبھی مہرالنساء کی طرف مائل نہیں ہو سکا۔ اس وقت بھی نہیں جب بابا جان نے ان دونوں کی نسبت طے کی تھی اور اس نے احتجاج یوں نہیں کیا تھا کہ کسی اور کا خیال نہیں تھا اور اب خیال، خواب بلکہ دل کی دنیا میں بھی جو ہلچل

بچی تھی وہ اسے اچھی لگ رہی تھی، بڑے پر کیف لمحات تھے جب وہ تصور میں اسے مخاطب کر رہا تھا۔ تبھی ملازمہ خیراں کی آواز سے اس کا تصور چکنا چور ہو گیا۔ بے حد ناگواری سے اسے دیکھ کر غصے سے بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"او جی، تساں نوں وڈے شاہ جی نے یاد کیتا اے۔"

خیراں اس کے غصے سے سہم کر بولی تو وہ مزید سوال جواب کیے بغیر اٹھ کر اندر چلا آیا۔ بابا جان خلاف معمول اس وقت ہال کمرے میں بی بی جان کے پاس بیٹھے نظر آئے۔ وہ انہیں سلام کرتے ہوئے قدرے فاصلے پر بیٹھ گیا تو بی بی جان فوراً اس کی طرف متوجہ ہو کر بولیں۔

"ہم تمہاری آپا نور بانو کی طرف جا رہے ہیں۔ تم بھی چلو۔"

"میں۔ میرا مطلب ہے اس وقت۔ خیریت تو ہے؟" اس نے کھوجتی ہوئی نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"سب خیریت ہے بیٹا، بس تمہاری بی بی جان کو اپنا کم بیٹی کی یاد ستانے لگی ہے۔"

بابا جان نے اس کی تشویش پر تسلی دیتے ہوئے کہا تو بی بی جان کچھ ناراض سی ہو کر بولیں۔

"اچانک تو نہیں شاہ جی، اتنے دنوں سے کہہ رہی ہوں نور بانو کی کوئی خیر خبر نہیں آئی اور اب تو میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"نہ نہ یونس کی ماں۔ بچوں کے سامنے روتے نہیں ہیں۔" بی بی جان کی آواز بھرانے پر بابا جان نے فوراً انہیں ٹوکا پھر اس سے پوچھنے لگے۔

"چل رہے ہو سکندر؟"

"اگر آپ کا حکم ہے تو ٹال نہیں سکتا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"جیتے رہو بیٹا! لیکن یہ میرا حکم نہیں ہے چلنا چاہو تو چلو۔" بابا جان نے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

"شکریہ بابا جان! پھر آپ ہو آئیں۔ میں پھر کسی دن چلا جاؤں گا۔" اس نے فوراً شکریے کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی۔

"اچھی بات ہے۔ ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے ہم آتے ہیں۔"

بابا جان نے کہا تو وہ باہر نکل آیا اور ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کا کہہ کر وہیں رک کر بابا جان اور بی بی جان کا انتظار کرنے لگا۔ پھر انہیں رخصت کرنے کے بعد اندر آ رہا تھا کہ معاً شہر بانو کا خیال آیا اور یہ کہ وہ بی بی جان کے ساتھ نہیں گئی۔ یہی پوچھنے وہ اس کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

"شہر بانو!" شاہ سکندر نے پہلے پکارا پھر اس کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ دوپٹا سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی بھائی!"

"تم بی بی جان کے ساتھ نہیں گئیں۔ آپا کی طرف؟" اس نے پوچھا۔

"میں تو جانا چاہتی تھی لیکن بی بی جان نے منع کر دیا۔" شہر بانو نے کہا انداز سے ظاہر تھا کہ اسے نہ جانے کا افسوس ہے۔

"کیوں۔ کیوں کیا بی بی جان نے؟"

"پتا نہیں۔"

"اچھا جانے دو، میں تمہیں کراچی لے چلوں گا۔ وہ میرا دوست ہے ناں احمد حسن، اس کی امی اکثر کہتی ہیں کہ بی بی جان اور شہر بانو کو لے کر آؤ۔ اس بار میں تمہیں ضرور لے جاؤں گا۔"

اس نے مسکرا کر ایک طرح سے اسے بہلانے کی کوشش کی لیکن وہ منہ پھلا کر بولی۔

"بی بی جان نہیں جانے دیں گی۔"

"میں کہوں گا بی بی جان سے اور دیکھنا وہ منع نہیں کریں گی۔ چلو اب جلدی سے موڈ ٹھیک کرو۔" وہ اس کا سر ہلا کر بولا تو وہ ذرا سا ہنسی پھر پوچھنے لگی۔

"آپ کب جائیں گے کراچی؟"

"چار دن رہ گئے ہیں۔" وہ جیسے دن گن رہا تھا۔ بے دھیانی میں اسی حساب سے کہہ گیا پھر فوراً احساس ہونے پر قدرے سٹپٹا کر بولا۔ "میرا مطلب ہے تین چار دن میں چلیں گے۔ تمہیں کچھ لینا ہے وہاں سے؟"

"جی، میں بہت ساری شاپنگ کروں گی۔" شہر بانو خوش ہو کر بولی۔

"اچھی بات ہے۔" وہ اس کے خوش ہونے پر اطمینان سے ہو گیا پھر جاتے جاتے رُک کر بولا۔

"اب ذرا اچھی سی چائے میرے کمرے میں بھجوا دو۔"

"ایک منٹ رُکیں بھائی!" شہر بانو کچھ یاد آنے پر اسے روکتے ہوئے الماری کی طرف بڑھ گئی وہ خاموشی سے دیکھنے لگا۔ شہر بانو الماری میں سے ایک پیکٹ نکال کر اس کے قریب آئی اور دونوں ہاتھوں پر پیکٹ رکھ کر اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

"یہ مہر النساء نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔"

"کیا ہے اس میں؟" اس کا سارا اشتیاق پل میں رخصت ہو گیا۔

"بخدا میں نے کھول کر نہیں دیکھا ہزار تجسس کے باوجود۔"

شہر بانو شوخی سے مسکرا رہی تھی۔ اور وہ ایک سرسری نظر پیکٹ پر ڈال کر کہنے لگا۔

"میری طرف سے اجازت ہے۔ بے شک کھول کر دیکھ لو۔ اس کے بعد مہر النساء کو لوٹا کر کہنا کہ اسے کسی ایسے شخص کے لیے سنبھال رکھے جو اس کی قدر کر سکے۔"

"بھائی!" شہر بانو کا دل انجانے اندیشوں سے کانپ کر رہ گیا اور وہ فوراً اس کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

✿ ✿ ✿

اماں جی آج کل سارا وقت عمر کے ساتھ لگی رہتی تھیں۔ اسے تیل کی مالش کرنا پھر نہلانا اس کے بعد پاؤڈر، آنکھوں میں بھر بھر سرمہ۔ پھر اپنے پاس ہی سلا لیتیں۔ بس دودھ کے اوقات میں ہی وہ میمونہ بھابی کے پاس نظر آتا تھا اور میمونہ بھابی بڑے آرام سے تھیں۔ اس وقت کچن میں اس کے پاس کھڑی کہہ رہی تھیں۔

"میں نے تو صرف بچے پیدا کیے ہیں۔ ان کی پرورش کی تکلیفیں تو میں جانتی ہی نہیں۔"

"دعائیں دیں اماں جی کو۔" اس نے کھولتا ہوا پانی ٹی پاٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اماں جی کو میری دعاؤں کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ تمہارے لیے دعا کرتی ہوں کہ اللہ تمہیں اماں

جی جیسی ساس دے۔"
میمونہ بھابی نے بڑے خلوص سے کہا۔
"لیجیے۔ اگر میری قسمت میں سرے سے ساس ہی نہ ہو تب؟"
اس نے شرارت سے کہا اور میمونہ بھابی اپنی دُھن میں بول گئیں۔
"کیوں نہ ہو، ضرور ہوگی۔"
"اب کہہ دیجیے بھلا ساس کے بنا بھی کوئی زندگی ہے۔"
"بالکل، اپنے لیے تو میں یہی کہوں گی۔ پتا ہے اسلام آباد سے سیما کا فون آیا تھا۔ بہت اصرار سے اماں جی اور ابا جی کو بلا رہی تھی۔ اور میں اس وقت سے یہ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کہ اگر اماں جی اور ابا جی کچھ دنوں کے لیے بھی اسلام آباد چلے گئے تو ہمارا کیا ہوگا؟"
میمونہ بھابی نے ساس سُسر کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا تو وہ بڑے آرام سے بولی۔
"فکر نہیں کریں، ہم بھی ساتھ چلیں گے۔"
"ہاں سارا گھر جائے گا۔ یہیں تو کھڑا ہے اسلام آباد۔"
"اچھا چلیں، پہلے چائے پی لیں۔"
وہ ٹرے اُٹھا کر بولی اور میمونہ بھابی کے ساتھ کچن سے نکل کر اماں جی کے کمرے میں آئی تو وہاں احمر اور سونیا اماں جی کی گود سے عمر کو لینے کی ضد کر رہے تھے اور اماں جی اُنہیں ڈانٹ رہی تھیں۔
"کیوں تنگ کر رہے ہو اماں جی کو۔ چلو بھاگو یہاں سے۔"
میمونہ بھابی نے سختی سے ڈانٹ کر دونوں کو بھگایا تو اماں جی ان پر ناراض ہونے لگیں۔
"ہائیں دلہن! اس طرح ڈانٹتے ہیں بچوں کو۔ دیکھو تو کیسے چھوٹا سا منہ لے کر گئے ہیں۔"
میمونہ بھابی تو کچھ نہیں بولیں لیکن وہ کہے بغیر نہیں رہ سکی۔
"اور جو آپ ڈانٹ رہی تھیں اماں جی۔"
"میں کب ڈانٹ رہی تھی؟"
"خیر چھوڑیں، چائے پئیں۔" وہ ٹرے میں کپ سیدھے کرتے ہوئے بولی پھر چائے بنا کر پہلے اماں جی پھر میمونہ بھابی کو دی اور اپنا کپ لے کر تخت پر آرام سے بیٹھ گئی۔ تب ایک دم نبیل کا خیال آنے پر پوچھنے لگی۔
"نبیل نظر نہیں آیا۔ اوپر ہے کیا؟"
"نہیں، بڑی دُلہن آج اسے اپنے ساتھ لے کر گئی ہیں۔"
اماں جی نے ناگوار سے انداز میں بتایا تو اس نے مزید کچھ پوچھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور قدرے توقف سے محض اماں جی کو خوش کرنے کی خاطر کہنے لگی۔
"اماں جی! اب عدیل بھائی کی شادی کر دیں۔ گھر کی رونق میں اضافہ ہو جائے گا۔"
"ہاں اماں جی! اب تو ماشاء اللہ عدیل اچھی پوسٹ پر ہے۔ اس کی شادی ہو جانی چاہیے۔" میمونہ بھابی نے فوراً اس کی تائید کرتے ہوئے کہا، لیکن اماں جی نے کوئی جواب نہیں دیا جانے کیا سوچنے لگیں۔
"آپ کو پتا ہے عدیل بھائی باہر جانے کا سوچ رہے ہیں۔" اس نے کہا تو اماں جی چونک کر پوچھنے

لگیں۔

"تم سے کس نے کہا؟"

"خود عدیل بھائی نے، کسی جرمن فرم میں اپلائی کر رکھا ہے انہوں نے۔ مجھ سے کہہ رہے تھے دعا کرو میرا اپائنٹمنٹ ہو جائے تو پھر میں جرمنی چلا جاؤں گا۔ آپ کو نہیں بتایا انہوں نے؟"

آخر میں اس نے کچھ تعجب سے پوچھا پھر خود ہی کہنے لگی۔

"آپ پریشان ہو جاتی ہیں ناں۔ اس لیے نہیں بتایا ہوگا۔"

"حالانکہ یہ پریشانی کی نہیں خوشی کی بات ہے۔" میمونہ بھابی کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھیں اور ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل گئیں۔

"بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں جی!"

"ہاں تم سب ٹھیک کہتے ہو۔ ایک میں ہی غلط سوچتی ہوں۔"

اماں جی رنجیدہ ہو کر بولیں۔ انہیں افسوس اس بات کا تھا کہ عدیل بھائی نے انہیں نہیں بتایا تھا اور وہ اندر ہی اندر پشیمان ہونے لگی کہ ناحق یہ موضوع چھیڑا۔ پھر ان کی دلجوئی کی خاطر ان کے گلے میں بازو ڈال کر بولی۔

"آپ کبھی غلط نہیں سوچ سکتیں اماں جی۔ خیر چھوڑیں اس قصے کو عدیل بھائی کی شادی کی بات کریں کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں؟"

"ہاں! ایک دو لڑکیاں تو ہیں نظر میں لیکن میں سوچ رہی ہوں تم امتحانوں سے فارغ ہو جاؤ پھر تم دونوں کی ایک ساتھ کہیں بات چلاؤں گی۔"

اماں جی نے پرسوچ انداز میں کہا تو وہ کچھ ٹھٹک سی گئی۔ بہت دھیرے سے ان کے گلے میں سے بازو کھینچ کر قدرے ہٹ کر پیچھے ہٹی تو نبیلہ بھابی کی بات یاد آئی۔

"تمہارے ہاں لڑکیاں سارا پڑھا لکھا چولہے میں جھونکتی ہیں دیکھنا تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا ادھر امتحانوں سے فارغ ہوئیں نہیں کہ اماں جی تمہاری شادی کی فکر میں لگ جائیں گی۔"

اماں جی اب اسی موضوع پر بول رہی تھیں۔ وہ کچھ غائب دماغی سے سنتی رہی پھر اسی خاموشی سے ان کے پاس سے اٹھ کر آ گئی اور اس رات وہ بہت سنجیدگی سے نبیلہ بھابی کی باتوں کو سوچ رہی تھی ورنہ اس سے پہلے وہ بڑے آرام سے نظر انداز کر چکی تھی۔ کیونکہ نبیلہ بھابی خودسری و ہٹ دھرمی کے باعث اپنا وقار کھو چکی تھیں۔ اس لیے خیال یہی آتا تھا کہ جو عورت اپنا گھر نہیں بنا پا رہی وہ دوسرے کو کیا اچھا سبق سکھائے گی۔ اور اب اسے لگ رہا تھا جیسے وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں اور انہوں نے یہ بھی تو کہا تھا کہ:۔

"تمہیں اپنے بارے میں سوچنے کا حق ہے اور اس حق کو ضرور استعمال کرنا۔"

اور جب وہ اپنے بارے میں سوچنے لگی تو اس کا دل اندر ہی اندر ٹھہرنے لگا کہ ہر سوچ پر وہ قابض تھا جو اس کے ساتھ دن اور وقت طے کر گیا تھا گو کہ وہ جذباتی لڑکی نہیں تھی نہ ہی آئیڈیلزم پر یقین رکھتی تھی لیکن کیا کرتی کہ مقابل شاہ سکندر حیات آ گیا تھا جس کی وجاہت میں ایسا سحر تھا کہ اگر کہیں وہ سر راہ نظر آتا تب بھی شاید وہ ایک پل کو ٹھہر کر اسے ضرور دیکھتی جبکہ اب تو وہ خود چل کر آیا تھا اور مزید ربط بڑھانے کا خواہش مند بھی تھا۔ وہ چاہتی بھی تو اسے نہیں روک سکتی تھی جیسے اب بہت کوشش کے باوجود اس سے ہٹ کر نہیں سوچ پا رہی تھی۔

حالانکہ ابھی تک وہ اس کے لیے سوالیہ نشان تھا لیکن وہ جو کوئی بھی تھا۔ آسیہ صلاح الدین اس سے متاثر ہو چکی تھی اور اپنی ہر کوشش میں ناکامی کے بعد بالآخر اس نے ہار مان لی اور نبیلہ بھابی کی باتوں کی روشنی میں سوچتے ہوئے اس نے پہلے ہی قدم پر شاہ سکندر حیات کا ہاتھ تھامنے کی خواہش کو دبایا نہیں تھا جیسا کہ نبیلہ بھابی نے کہا تھا۔

''میں یہ نہیں کہہ رہی کہ شادی نہیں کرنا، ضرور کرنا لیکن ایسے شخص کے ساتھ جو تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کے ساتھ نہیں استعمال کرنے کی تمہیں پوری آزادی دے اور ایسا شخص تمہارا ہم پیشہ ہی ہو سکتا ہے۔''

اور نبیلہ بھابی کی اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے وہ سوچنے لگی کہ اگر شاہ سکندر حیات اس کا ہم پیشہ نہیں ہے تب بھی وہ پہلے مقام پر اسے اپنے ارادوں سے آگاہ کر دے گی اور اگر وہ اس کے لیے سنجیدہ ہوا تو پھر یقیناً اس کی مزید تعلیم اور پھر پریکٹس پر اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یوں اپنے طور پر وہ سارے پہلوؤں پر سوچ کر اطمینان سے ہو گئی تھی۔

اور جس روز شاہ سکندر حیات کو آنا تھا اس روز پہلی بات اس کا دھیان لیکچر کے بجائے ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ کبھی نظریں کھڑکی سے باہر اور کبھی گھڑی پر آ ٹھہرتیں۔ جس کی سوئیاں پی ایم کی حدود میں داخل ہو چکی تھیں اور وہ قصداً خود پر جبر کیے بیٹھی تھی۔ پیریڈ آف ہونے کے بعد بھی وہ فوراً باہر نہیں نکلی پتا نہیں اس کی آزمائش مطلوب تھی یا اپنی بہر حال اس کے طے کیے ہوئے وقت کے پورے ایک گھنٹے بعد وہ باہر نکل کر آئی تو پہلی نظر اسی پر پڑی جو اس کے اسٹاپ سے چند قدم آگے اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ کچھ دیر کو واقعی وہ بری طرح نروس ہوئی لیکن پھر بہت جلد خود پر قابو پا کر قدم اس کی طرف بڑھا دیے اور اس کے قریب پہنچ کر فوراً معذرت کرتے ہوئے بولی۔

''سوری مجھے پتا ہی نہیں چلا وقت کا۔ آپ کو شاید کافی انتظار کرنا پڑا۔''

''مجھے آپ کا انتظار کرنا اچھا لگا۔ پلیز۔'' اس نے کہتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بنا کسی پس و پیش کے بیٹھ گئی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ ڈرائیونگ پر بیٹھا تو اسے دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے قصداً سیدھا سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔

''میری آمد کا یقین تھا آپ کو؟'' شاہ سکندر نے بڑی خوبصورتی سے اسے گھیرنے کی کوشش کی لیکن وہ سہولت سے دامن بچا کر بولی۔

''میرا خیال ہے۔ ان باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے آپ اپنی آمد کا مقصد بیان کر دیں۔''

''جلدی کیا ہے۔ کہیں اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے۔''

شاہ سکندر نے قدرے بے نیازی سے کہہ کر گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی اور وہ کیونکہ خود کو بہت پر اعتماد ظاہر کر رہی تھی اس لیے ذرا سے کندھے اچکا کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ تمام راستے اس کے دیکھے ہوئے تھے جب شاہ سکندر نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے گاڑی روکی تو وہ یونہی گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے، کچھ پریشان ہیں؟'' شاہ سکندر نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا اور وہ اس کی بات نظر انداز کر کے بولی۔

''میں زیادہ دیر نہیں رکوں گی۔''

"آپ کا اختیار صرف آنے نہ آنے تک تھا اور اب۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر نیچے اتر گیا، پھر آ کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ خود کو اس کے رحم و کرم پر محسوس کر کے کچھ پریشان سی ہو گئی لیکن جب اس کے ساتھ چلنے لگی تو اپنا آپ بہت محفوظ بہت اچھا لگا گزشتہ دنوں کا سارا اضطراب ساری بے چینی تھم گئی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ پہلی بار اسے دیکھ کر مسکرائی تو وہ خوشگوار سے احساس میں گھر کر بولا۔

"شکریہ۔"

"کس بات کا؟" اس نے یونہی پوچھ لیا۔

"تمہاری مسکراہٹ نے میرے اس یقین پر مہر ثبت کر دی ہے آسیہ کہ تمہاری زندگی میں، میں اس مقام پر فائز ہو چکا ہوں جہاں مجھ سے پہلے کوئی تھا نہ میرے بعد کوئی ہو سکتا ہے۔"

شاہ سکندر نے بہت یقین سے کہا پھر ٹیبل پر اپنا ہاتھ پھیلا کر رکھ دیا۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھا اور سوچ کر کہنے لگی۔

"میرا ہاتھ تھامنے سے پہلے سوچ لیجیے شاہ سکندر! کہ میں کوئی بہت عام سی لڑکی نہیں ہوں۔ میرے خواب میری سوچیں صرف ایک خوبصورت گھر تک محدود نہیں ہیں۔ جس مقصد کے تحت میں نے تعلیم حاصل کی اسے میں پس پشت نہیں ڈال سکتی۔ میرے نزدیک یہ سراسر بد دیانتی ہو گی آپ میری بات سمجھ رہے ہیں ناں؟"

آخر میں اس نے اچانک سر اُٹھا کر پوچھا تو وہ جو بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا آہستہ آہستہ اثبات میں سر ہلانے لگا اور کچھ دیر رُک کر بولا۔

"میں تمہارے مقصد کی راہ میں حائل نہیں ہوں گا بلکہ تم ہر قدم پر مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔ اور کچھ۔"

"اور" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ گلاس ڈور سے داخل ہوتی نبیلہ بھابی کو دیکھ کر الفاظ اس کے ہونٹوں میں ہی رہ گئے نبیلہ بھابی اکیلی نہیں تھیں ان کے ساتھ جو کوئی بھی تھا بہت بے تکلفی سے اس کی کمر میں بازو ڈالے ہوئے تھا اور وہ یہ تو جانتی تھی کہ نبیلہ بھابی آزاد ماحول کی پروردہ آزاد خیال خاتون ہیں لیکن ان کی آزاد خیالی بے راہ روی کی حد چھو لے گی یہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ کوئی اور اگر نبیلہ بھابی کے بارے میں ایسی بات کرتا تو شاید وہ کبھی یقین نہ کرتی اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی وہ جھٹلانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن سامنے منظر بہت واضح تھا۔ آف وائٹ سلک کے شلوار سوٹ میں دوپٹے سے بے نیاز نبیلہ بھابی کہیں سے بھی نبیل کی ماں نہیں لگ رہی تھیں نہ انہیں بڑے بھیا کی عزت کا خیال تھا غیر کے بازو میں اٹھلاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئیں اور وہ سناٹے میں بیٹھی تھی۔

"اے ڈاکٹر! تم کہاں کھو گئیں؟" شاہ سکندر نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر کہا تو وہ یونہی گم صم سی اسے دیکھنے لگی۔

"محبت تو تمہارے سامنے موجود ہے۔" شاہ سکندر نے مسکرا کر اپنی بات پوری کی تو وہ ذرا سا چونکی پھر غیر محسوس طریقے سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر کو ذرا سا جھٹکا دینے کے بعد کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے چلنا چاہیے۔"

"کیا تم نے تہیہ کر رکھا ہے کہ میری ہر بات کو یونہی نظر انداز کرو گی۔" شاہ سکندر کا موڈ یکلخت بگڑ گیا۔ "تم نے میری بات نہیں سنی یا سمجھی نہیں کہ تمہارا اختیار آنے نہ آنے تک تھا اب جب میں چاہوں گا تب ہی

تم جا سکو گی۔ انڈر اسٹینڈ۔"

"میرے خدا!" وہ اندر ہی اندر سہم کر رہ گئی۔

✿ ✿ ✿

شاہ سکندر نے کچھ دیر خاموش ہو کر اسے دیکھا پھر اپنے لہجے پر نادم ہو کر کہنے لگا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے تم سے اس طرح بات کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اصل میں میں۔"

"پلیز شاہ سکندر۔" وہ عاجزی سے ٹوک کر بولی۔ "میں یہاں بہت ڈسٹرب ہو رہی ہوں آپ میری کیفیت سمجھ نہیں سکتے چلیں باقی باتیں راستے میں۔"

"او کے تم چلو میں آتا ہوں۔" وہ اس کی عاجزی نظر انداز نہیں کر سکا بلکہ کچھ ٹھٹھک سا گیا تھا جبھی فوراً اس کی بات مان کر جانے کا کہا تو وہ ممنون نظروں سے دیکھتی ہوئی جلدی سے باہر نکل آئی اور شاہ سکندر کے آنے تک وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔

✿ ✿ ✿

شاہ سکندر کا ارادہ آسیہ کو گھر تک چھوڑنے کا تھا لیکن وہ راستے ہی میں اتر گئی تب اس سے اگلی ملاقات کا دن طے کر کے وہ احمد حسن کے گھر کی طرف چل پڑا جہاں سے اسے شہر بانو کو لینا تھا۔ اپنے وعدہ کے مطابق وہ شہر بانو کو ساتھ لے آیا تھا۔ لیکن ابھی اسے شاپنگ کرانی باقی تھی۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی، چار بج رہے تھے تب وہ اسپیڈ بڑھا کر منٹوں میں احمد حسن کے گھر پہنچ گیا۔ شہر بانو شدت سے اس کی منتظر تھی۔ گو کہ نائلہ کی کمپنی میں بالکل بور نہیں ہوئی تھی لیکن اسے واپسی کا خیال تھا۔ بی بی جان نے بہت تاکید سے کہا تھا کہ شام ڈھلنے سے پہلے واپس آ جانا اس لیے شاہ سکندر کو دیکھتے ہی وہ منہ پھلا کر بولی۔

"بھائی! اتنی دیر لگا دی اب ہم بازار تو نہیں جا سکیں گے۔"

"فکر نہیں کرو، یہاں بازار بہت دیر تک کھلے رہتے ہیں تمہاری شاپنگ آرام سے ہو جائے گی۔" شاہ سکندر نے اسے اطمینان دلایا۔

"میری شاپنگ تو آرام سے ہو سکتی ہے اور جو بی بی جان نے جلدی آنے کو کہا تھا۔" شہر بان نے اسے یاد دلایا۔

"اب کیا کروں، دیر ہو گئی چلو نائلہ جلدی سے چائے پلاؤ پھر ہم چلتے ہیں اور ہاں احمد حسن آفس سے آیا کہ نہیں۔" وہ شہر بانو سے بات کرتے ہوئے ایک دم نائلہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"احمد بھائی ابھی نہیں آئے۔ آتے ہی ہوں گے۔" نائلہ نے کہا تو وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا تم چائے تو پلاؤ۔"

"چائے تو میں آپ کو پلا رہی ہوں سکندر بھائی اور وہ بھی بہت اچھی سی لیکن آپ کو میری ایک بات ماننی ہو گی۔" نائلہ جاتے جاتے رُک کر بولی۔

"کیا؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"آج آپ لوگ یہیں رُک جائیں کل چھٹی کا دن ہے، ساحل پر چلیں گے بہت مزہ آئے گا۔" نائلہ نے خوش ہو کر پروگرام بتایا تو وہ فوراً شہر بانو کو دیکھنے لگا کہ آیا دونوں نے پہلے سے یہ پروگرام بنایا ہے یا صرف نائلہ کی خواہش ہے اور اس کے دیکھنے پر شہر بانو نے اشارے سے منع کر دیا تب وہ نائلہ سے معذرت کرتے

ہوئے بولا۔
"سوری نائلہ۔ آج ہمارا رُکنا ممکن نہیں ہے پھر کسی دن بلکہ خاص چھٹی ہی کے دن میں شہر بانو کو لے آؤں گا۔"
"مجھے پتا تھا آپ میری بات نہیں مانیں گے۔" نائلہ روٹھ کر بولی۔
"اور اب تم مجھے چائے بھی نہیں پلاؤ گی۔"
"نہیں خیر چائے تو ضرور پلاؤں گی۔" نائلہ فوراً خفگی بھول کر چائے بنانے چلی گئی تو وہ شہر بانو سے کہنے لگا۔
"تم آنٹی سے مل لو اور ان سے جانے کی اجازت بھی لے لو۔" شہر بانو خاموشی سے چلی گئی تب وہ دور تک ٹانگیں پھیلا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ اس نے سوچا تھا وہ آج ہی شہر بانو کو آسیہ کے گھر لے جائے گا لیکن اب وقت ہی نہیں تھا۔ چائے پینے کے بعد اس نے احمد حسن کا انتظار بھی نہیں کیا اور اس کی امی سے دوبارہ جلد آنے کا کہہ کر شہر بانو کو شاپنگ کے لیے طارق روڈ لے گیا۔
شہر بانو بی بی جان کے ڈر سے بہت جلدی کر رہی تھی حالانکہ اس نے بار بار اطمینان دلایا کہ بی بی جان کی ناراضگی کو وہ خود فیس کرے گا۔ وہ آرام سے خریداری کر لے لیکن شہر بانو بہت جلدی فارغ ہو گئی۔
"بس بھائی، مجھے اور کچھ نہیں لینا۔" شہر بانو نے مزید کچھ بھی خریدنے سے انکار کر دیا۔
چلو پھر کسی دن صرف اور صرف تمہاری شاپنگ کے لیے آئیں گے۔" وہ سمجھ گیا شہر بانو کو بی بی جان کی ناراضگی کا خیال پریشان کر رہا ہے۔ جبھی مزید اصرار نہیں کیا۔
"شام تو یہیں ہو گئی، ہم رات میں پہنچیں گے۔" شہر بانو نے گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا۔
"ہوں۔" اس نے زیادہ توجہ نہیں دی اور احتیاط سے گاڑی بیک کرنے لگا پھر جب کشادہ سڑک پر آیا تب اس کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھنے لگا۔
"کیسا وقت گزرا تمہارا نائلہ اور اس کی امی کے ساتھ؟"
"بہت اچھا، کبھی آپ انہیں شاہ پور لے کر آئیں ناں۔"
"تم نے دعوت دی انہیں؟"
"ہاں۔"
"پھر ضرور آئیں گی۔" اس نے کہا تو شہر بانو تعجب سے پوچھنے لگی۔
"کیوں آپ نے کبھی نہیں بلایا انہیں؟"
"یہ بات نہیں ہے اصل میں وہ شاید اس انتظار میں تھیں کہ پہلے میرے گھر سے کوئی آئے۔ آج تم آئی ہو تو اب وہ بھی آئیں گی۔" اس نے کہا تو شہر بانو فوراً بولی۔
"پھر تو مجھے بہت پہلے آنا چاہیے تھا۔"
"ہوں۔" وہ ہوں کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اصل بات شروع کرنے سے پہلے کی خاموشی تھی ایک طرح سے اپنے ذہن کو تیار کر رہا تھا اور یہ کہ بات کہاں سے شروع کرے پھر ایک دم سے یاد آنے پر بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔
"سنو، تم نے مہر النساء کو اس کا پیکٹ لوٹا دیا تھا؟"

''نہیں۔'' شہر بانو چور سی بن گئی۔
''کیوں؟'' ہنوز سرسری انداز لیکن پیشانی پر گہری لکیر نمودار ہو گئی تھی۔
''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ اس کا اتنی محبت سے دیا ہوا تحفہ کیوں لوٹانا چاہتے ہیں؟'' شہر بانو نے اُلٹا سوال کر کے گویا اس کی مشکل آسان کر دی بڑے آرام سے بولا۔
یہی بتانے کے لیے تو میں تمہیں لے کر آیا تھا لیکن افسوس تمہاری اس سے ملاقات نہیں کرا سکا۔''
''کس سے؟'' شہر بانو کو اپنی آواز کہیں بہت دور سے سنائی دی۔ شبہ تو اسے اسی روز ہو گیا تھا لیکن مسلسل خود کو بہلا رہی تھی کہ شاہ سکندر کسی قیمت پر مہر النساء سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ کیونکہ بدلے میں وہ شاہ ہارون سے منسوب ہے۔ اس کا بھائی اتنا خود غرض نہیں ہو سکتا کہ اپنی کسی خواہش سے مغلوب ہو کر بہن کے ارمانوں کا خون کر دے۔ کتنا مان تھا بہن کو اپنے بھائی پر جسے ٹوٹنے میں ایک پل لگا۔
''آسیہ سے۔'' وہ اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گیا بلکہ انتظار کرنے لگا کہ وہ سوال پر سوال کرے گی کون ہے کہاں رہتی ہے آپ کو کہاں ملی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن دوسری طرف سناٹا تھا جسے محسوس کر کے شاہ سکندر نے اپنے طور پر آخری بات کہی۔
''خیر آسیہ سے تمہاری کبھی ملاقات ہو جائے گی لیکن بی بی جان کو تم ابھی بتا دینا کہ میں مہر النساء سے شادی نہیں کروں گا۔'' اور مارے صدمے کے شہر بانو سے بولا ہی نہیں گیا ورنہ اور کچھ نہیں تو اتنا ضرور کہتی کہ وہ یہ بات خود بی بی جان سے کہہ دے، اسے درمیان میں نہ لائے۔ اور شاہ سکندر نے اس کے بعد کچھ کہنا ضروری ہی نہیں سمجھا۔ پتا نہیں شہر بانو کی کیفیت سمجھ نہیں رہا تھا یا قصداً نظر انداز کر رہا تھا باقی دو گھنٹے کے سفر میں یوں انجان بنا رہا جیسے وہ اس کے ساتھ موجود ہی نہ ہو۔
پھر حویلی کے بڑے گیٹ سے داخل ہو کر گاڑی ابھی ڈرائیو وے پر رینگ رہی تھی کہ شہر بانو بہت عجلت میں اتر کر تیز تیز قدموں سے اندر چلی گئی وہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ پھر گل خان کو پکار کر اسے گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کا کہہ کر اندر آیا تو سیدھا بی بی جان کے کمرے کا رُخ کیا بی بی جان عشاء کی نماز پڑھنے میں مصروف تھیں وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ کر ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

✿ ✿ ✿

میمونہ بھابی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے وہ ایک دم خاموش ہو گئی کیونکہ ادھر سے نبیلہ بھابی آ رہی تھیں۔ اور ان پر نظر پڑتے ہی اسے دوپہر کا واقعہ یاد آ گیا تھا حسب عادت نبیلہ بھابی سرسری انداز میں ہیلو کہتی ہوئی ان دونوں کے قریب سے گزر کر سیڑھیاں چڑھ گئیں تب بھی وہ ایسے ہی کچھ گم سم سی بیٹھی تھی۔
''کیا انداز ہیں۔ ایمان سے مجھے تو رشک آتا ہے۔'' میمونہ بھابی نے کہا تو وہ چونک کر پوچھنے لگی۔
''کیا کہا؟''
''میں کہہ رہی ہوں اصل زندگی تو نبیلہ بھابی کی ہے کوئی فکر ہی نہیں آرام سے دن چڑھے تک سوتی ہیں اس کے بعد جہاں دل چاہے جانے کو تیار، کوئی روک ٹوک نہیں اور ابھی دیکھو کس شان سے آئی ہیں۔'' میمونہ بھابی کے لہجے میں حسرت نہیں تھی بلکہ کچھ مذاق کا عنصر تھا۔ وہ ذرا سا مسکرائی اور اس موضوع سے ہٹنے کی خاطر بولی۔
''ہم کیا باتیں کر رہے تھے ہاں عدیل بھائی کی شادی، اماں جی بتا رہی تھیں ان کی نظر میں ایک دو

لڑکیاں ہیں۔"

"اچھا! کون ہے؟" میمونہ بھابی نے دلچسپی سے پوچھا تو اس نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

"پتا نہیں۔"

"ہائیں تم نے پوچھا نہیں اماں جی سے؟" میمونہ بھابی نے تعجب سے کہا۔

"کیسے پوچھتی انہوں نے عدیل بھائی کے ساتھ میری شادی کا ذکر چھیڑ دیا تھا اس لیے میں خاموشی سے ان کے پاس سے اُٹھ گئی تھی۔" اس نے اپنی مجبوری بتائی تو میمونہ بھابی ہنسنے لگیں۔

"آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟"

"بس یونہی ویسے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ہمارے ہاں لڑکیاں اتنا پڑھ لکھ کر بھی اپنی شادی کے ذکر پر خاموش کیوں ہو جاتی ہیں۔" میمونہ بھابی نے بڑے محظوظ سے انداز میں کہا۔

"پھر کیا کریں؟" اسے میمونہ بھابی کے محظوظ ہونے پر ہنسی آئی۔

"بھئی کم از کم اپنی مرضی تو ضرور بتایا کریں۔ ویسے تمہاری کیا مرضی ہے؟" میمونہ بھابی نے اتنا اچانک پوچھا کہ وہ سٹپٹا سی گئی۔

"میری کیا مرضی ہو سکتی ہے!"

"کیوں نہیں۔ آخر اپنے بارے میں کچھ سوچا تو ہوگا تم نے۔"

"ابھی تک تو نہیں سوچا لیکن اب ضرور سوچوں گی۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں بات اڑائی تبھی عدیل بھائی اپنے کمرے سے نکل کر آئے اور انہیں دیکھ کر بولے۔

"توبہ، دو خواتین جہاں بیٹھ جائیں۔"

"تم بھی آ جاؤ۔" میمونہ بھابی نے کہا تو اس نے کرسی کھینچ کر آگے کر دی۔

"بچہ پارٹی کہاں ہے؟" عدیل بھائی نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"بچے سب سو گئے۔" میمونہ بھابی نے بتایا تو تعجب سے بولے۔

"اتنی جلدی؟"

"بہت شور کر رہے تھے، تمہارے خلیل بھائی نے ڈانٹ کر سلایا ہے۔"

"یہ زیادتی ہے مجھ سے کہا ہوتا میں انہیں باہر لے جاتا، یوں بھی کل چھٹی ہے۔ نبیل بھی سو گیا؟" عدیل بھائی نے آخر میں اس سے پوچھا۔

"نبیل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے شام میں بڑے بھیا اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر کچھ دیر اماں جی کے پاس لیٹا پھر بڑے بھیا اسے اوپر لے گئے۔" اس نے بتایا تو عدیل بھائی تشویش سے پوچھنے لگے۔

"زیادہ طبیعت خراب تو نہیں ہے؟"

"نہیں موسمی بخار ہے۔ صبح تک انشاء اللہ اُتر جائے گا۔" اس نے تسلی دی پھر پوچھنے لگی۔ "آپ کے لیے چائے لاؤں؟"

"نہیں پہلے ہی نیند نہیں آ رہی۔" عدیل بھائی نے منع کیا تو میمونہ بھابی انہیں دیکھ کر شرارت سے ہنستے ہوئے بولیں۔

''بچہ جوان ہو گیا ہے اب اکیلے میں اسے نیند نہیں آتی۔''
''اُف یہ میمونہ بھابی۔'' اسے بے حد شرم آئی اور عدیل بھائی بھی اس کی موجودگی کے باعث سٹپٹا کر بولے۔
''آپ تو خاموش ہی رہا کریں۔''
''کیوں خاموش رہا کروں خلیل کہتے ہیں تم بولتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔'' میمونہ بھابی نے ایک ادا سے کہا جس پر وہ بے ساختہ ہنسی اور ہنسی تو عدیل بھائی کو بھی آئی لیکن منہ بنا کر بولے۔
''اوں ہوں بڑے بدذوق ہیں خلیل بھائی یا پھر انہوں نے آپ کو خاموش دیکھا نہیں ہوگا۔''
''تمہارا مطلب ہے۔''
''جناب آپ خاموش بیٹھی بہت اچھی لگتی ہیں کیوں آسیہ؟'' عدیل بھائی نے اس سے تائید چاہی۔
''بھائی! مجھے تو میمونہ بھابی ہر حالت میں اچھی ہی لگتی ہیں۔'' اس نے کہا تو عدیل بھائی مصنوعی حیرت سے بولے۔
''ہائیں تم جھوٹ بھی بولتی ہو؟''
''کوئی جھوٹ نہیں۔ بالکل سچ کہہ رہی ہے یہ'' قدرے جوش میں میمونہ بھابی کی آواز اونچی ہو گئی تھی اور غالباً ان کی آواز پر ہی خلیل بھائی کی آنکھ کھلی اور انہوں نے وہیں سے انہیں پکار لیا۔
''جایئے۔ آپ کے جوان کو نیند نہیں آ رہی۔'' عدیل بھائی کو بدلہ اتارنے کا موقع مل گیا سرگوشی میں بھاوج کو چھیڑ کر کہا تو وہ انہیں گھورتے ہوئے اٹھ کر چلی گئیں تب عدیل بھائی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔
''چلو بھئی آسیہ، تم بھی سوؤ جا کر۔''
''جی بھائی! میں ذرا کچن دیکھ لوں۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ دو چار برتن میلے رکھے تھے، انہیں دھویا پھر لائٹ آف کر کے نکلی تو سیڑھیوں پر بڑے بھیا کو دیکھ کر ٹھٹھک کر وہیں رُک گئی۔
''کیا بات ہے بڑے بھیا۔ کچھ چاہیے۔'' بڑے بھیا آخری سیڑھی تک آئے تو اس نے پوچھ لیا۔
''ہاں، نہیں۔'' بڑے بھیا کا ذہن جیسے کام نہیں کر رہا تھا پھر سوچ کر بولے ''ہاں وہ تم ذرا نبیل کو دیکھ لو، بہت بے چین ہو رہا ہے بخار بھی تیز ہو گیا ہے۔''
''چلیں۔'' وہ کچھ پریشان سی ہو کر بڑے بھیا سے پہلے ہی سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اوپر آ گئی اس بخار کی حالت میں بھی نبیل کمرے میں اکیلا تھا۔ اسے معصوم بچے پر بہت رحم آیا جس کی ماں دوسرے کمرے میں اطمینان سے سو رہی تھی وہ اندر ہی اندر کڑھتی ہوئی نبیل کو چیک کرنے لگی۔ بخار بہت تیز تھا لیکن بڑے بھیا کے سامنے اس نے تشویش ظاہر نہیں کی بلکہ تسلی دی۔
''پریشانی کی بات نہیں ہے بڑے بھیا۔ بخار اتر جائے گا اسے میں اپنے پاس لے جاتی ہوں۔''
''نہیں بیٹا، اسے یہیں رہنے دو تمہیں تنگ کرے گا۔''
''نہیں بھیا! میرے پاس یہ آرام سے سوئے گا۔'' وہ کہہ کر نبیل کو اٹھانے لگی کہ بڑے بھیا آگے بڑھ آئے۔
''رُکو میں لے چلتا ہوں تم سے اٹھایا نہیں جائے گا۔'' وہ پیچھے ہٹ گئی پھر اسی طرح بڑے بھیا کے پیچھے چلتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر اپنے کمرے میں آئی اور جب بڑے بھیا نبیل کو اس کے بیڈ پر لٹا کر چلے گئے تب

وہ کٹورے میں ٹھنڈا پانی لے کر آئی اور اس میں کپڑا بھگو بھگو کر نبیل کے ماتھے پر رکھنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد جا کر کہیں بخار کم ہوا تب وہ قدرے اطمینان سے ہو کر اس کے ساتھ لیٹ گئی۔ ابھی بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور اس نے سونے کی کوشش بھی نہیں کی۔ کچھ دیر تک نبیلہ بھابی کے بارے میں سوچتی رہی پھر سر جھٹک کر ان کی طرف سے دھیان ہٹایا تو ذہن کے دریچوں پر شاہ سکندر حیات دستک دینے چلا آیا۔ اب وہ اس کے لیے سوالیہ نشان نہیں تھا واپسی کے راستے میں اس نے اپنے بارے میں اسے بتایا تھا۔

چار سال سے وہ امریکہ میں تھا۔ وہاں سے ایگریکلچر میں ماسٹر کر کے گزشتہ سال لوٹا تھا اور ظاہر ہے بڑے زمیندار کا بیٹا تھا، اسے نوکری کی ضرورت نہیں تھی، ایک طرح سے شاہی زندگی گزار رہا تھا اور اسے اس نے یقین دلایا تھا کہ شاہ پور میں وہ اسے پورا ہاسپٹل تعمیر کروا دے گا اور یہ اس کے لیے کوئی بڑی بات بھی نہیں تھی۔ اس وقت اسے سوچتے ہوئے وہ خود کو کبھی حویلی اور کبھی ہاسپٹل میں چلتا پھرتا محسوس کر رہی تھی۔

صبح تک نبیل کا بخار اُتر چکا تھا۔ بڑے بھیا اٹھتے ہی نیچے اتر کر آئے۔ اس وقت وہ نبیل کو اپنے ہاتھ سے ناشتا کرا رہی تھی بڑے بھیا کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھنے لگی کہ انہوں نے ہاتھ سے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا پھر نبیل کے قریب آ کر پوچھنے لگے۔

"اب کیسی طبیعت ہے بیٹا؟"

"پاپا! میں تو رات کو آپ کے پاس سویا تھا پھر پھوپھو کے پاس کیسے آ گیا؟" ان کی بات کا جواب دینے کی بجائے نبیل غالباً جو سوچ رہا تھا وہی پوچھ لیا۔

"آپ کو میں لے کر آئی تھی۔" بڑے بھیا سے پہلے وہ بول پڑی۔

"اب بخار تو نہیں ہے اسے؟" بڑے بھیا اس سے پوچھنے لگے۔

"نہیں بھیا! بالکل نہیں ہے آپ بیٹھیں ناں۔" اس نے پھر اٹھنا چاہا۔

"بس چلتا ہوں، تم اس کا خیال رکھنا۔" بڑے بھیا جانے کیوں نظریں چرا کر بولے اور فوراً کمرے سے نکل گئے۔

"پھوپھو! مما کہاں ہیں؟" نبیل نے پوچھا تو وہ جو بڑے بھیا کے جانے پر ان کے پیچھے دیکھ رہی تھی چونک کر بولی۔

"سو رہی ہیں چلو تم جلدی سے یہ ختم کرو پھر احمر اور سونیا آ جائیں گے تو تم ان کے ساتھ باتوں میں لگ جاؤ گے۔"

"بس پھوپھو، اچھا نہیں لگ رہا۔" نبیل نے منہ بنایا تو اس نے چمچ واپس ٹرے میں رکھ دیا اور اسے آرام سے لیٹنے کی تاکید کرتے ہوئے ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اس کے امتحانوں میں صرف دو مہینے رہ گئے تھے اور وہ بالکل اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی۔ سب جانتے تھے امتحانوں کی وجہ سے وہ سب سے کٹ جاتی ہے اور کوئی اسے ڈسٹرب بھی نہیں کرتا تھا پھر اب تو اس کا آخری سال تھا۔ اس لیے میمونہ بھابی بھی اس کے کمرے میں کم ہی آتی تھیں۔ ورنہ انہیں کہاں چین آتا تھا جب تک گھنٹوں کے حساب سے اس سے باتیں نہ کر لیں۔ ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔

اب بیچاری سارا وقت اماں جی کے پاس بیٹھی ان کی سنتی رہتی تھیں۔ کسی کسی وقت اسے چائے دینے

جاتیں تو ان کی بیزار شکل دیکھ کر وہ مسکرا کر کہتی۔
''بس بھابی کچھ دنوں کی بات ہے پھر ہم بہت فراغت سے مل بیٹھیں گے۔''
''یہ کچھ دن ہی تو نہیں گزر رہے'' اس وقت اس کے تسلی دینے پر وہ اکتا کر بولیں۔
''اچھا چلیں میرے چائے پینے تک آپ یہیں بیٹھ جائیں اور اتنے وقت میں جتنا بول سکتی ہیں بولیں۔'' اسے ان پر رحم آ گیا۔ کتاب بند کر کے ایک طرف رکھی اور چائے کا کپ اٹھا کر پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میمونہ بھابی بہت خوش ہو کر بیٹھیں لیکن پھر فوراً ہی کھڑی ہو گئیں۔
''کیا ہوا؟'' وہ حیران ہوئی۔
''اس وقت نہیں بیٹھ سکتی۔ مہمان کو چائے وغیرہ بھجوانی ہے۔'' میمونہ بھابی نے عجلت میں بتایا۔
''کون آیا ہے؟'' اس نے یونہی پوچھ لیا۔
''وہ آیا ہے عدیل کے ساتھ کیا نام ہے اس کا شاہ سکندر۔'' میمونہ بھابی ایسے ہی عجلت میں بتاتے ہوئے چلی گئیں اگر ایک لمحہ بھی ٹھہرتیں تو اس کی دھڑکنوں کی آواز سن سکتی تھیں۔
کیسا انوکھا خوشگوار احساس تھا کہ یہ یہیں اس کے آس پاس موجود ہے۔ ایک پل کو پلکیں موند کر اس نے اس کی موجودگی کو شدت سے محسوس کیا پھر جلدی سے چائے پی کر خالی کپ رکھنے کے بہانے کچن میں آئی تو عدیل بھائی میمونہ بھابی سے کہہ رہے تھے۔
''چائے فرسٹ کلاس ہونی چاہیے بھابی اور یہ ٹرالی میں کیا سجا رکھا ہے آپ نے ہٹایئے یہ سب اور میں سامان لے کر آتا ہوں۔''
''اوفوہ۔ تم تو یوں کر رہے ہو، جیسے کوئی نواب آیا ہو۔'' میمونہ بھابی کچھ جھنجھلا کر بولیں۔
''نواب سے کم بھی نہیں۔'' عدیل بھائی کہتے ہوئے بہت تیزی میں باہر نکل گئے تب وہ آگے بڑھ کر آئی اور ٹرالی پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔
''یہ سب ٹھیک تو ہے اور کیا چاہیے عدیل بھائی کو!''
''پتا نہیں، ایسے ہی اس کے آنے پر بوکھلا جاتا ہے۔ خیر تم ہٹاؤ یہ سب۔'' میمونہ بھابی نے کہا تو وہ ٹرالی میں رکھی مختلف لوازمات سے بھری پلیٹیں نکال کر ریک پر رکھنے لگی۔
کچھ دیر بعد عدیل بھائی جانے کیا کچھ لے کر آ گئے۔ اور شاپرز اسے تھما کر میمونہ بھابی سے کہنے لگے۔
''بھابی پلیز اب آپ اندر لے آیئے گا۔''
''نہیں بھئی، میں تمہیں پکار لوں گی خود ہی آ کر لے جانا۔'' بھابی نے خود پر نظر ڈالتے ہوئے گویا اپنے خراب حلیے کا احساس دلایا تب وہ بڑے اعتماد سے بولی۔
''میں لے آؤں گی بھائی۔ آپ جائیں۔'' عدیل بھائی نے کچھ چونک کر اسے دیکھا لیکن وہ شاپرز کھولنے میں مصروف ہو چکی تھی پھر نئے سرے سے ٹرالی سجا کر میمونہ بھابی کو اس میں چائے رکھنے کا کہا اور ہاتھوں سے بال ٹھیک کرنے لگی۔
''میرا خیال ہے دوپٹہ کوئی ڈھنگ کا اوڑھ لو۔'' میمونہ بھابی نے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔
''یہ بھی ٹھیک ہے۔'' پھر ٹرالی دھکیلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئی تو سامنے اباجی کو بیٹھے دیکھ کر

قدرے جھک کر دروازے کے پاس رک گئی۔ پھر وہیں سے پلٹنا چاہتی تھی کہ ابا جی نے آگے آنے کا اشارہ کر دیا۔

"السلام علیکم۔" شاہ سکندر اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں جو چمک لہرائی تھی اسے یکسر نظر انداز کر کے وہ سادہ سے انداز میں پوچھنے لگی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟" اس نے ذرا سا سر ہلانے کے ساتھ اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر عدیل بھائی کو یوں دیکھنے لگی جیسے پوچھ رہی ہو میرے لیے کیا حکم ہے اور عدیل بھائی اسے میزبانی کے فرائض سونپ کر خود اطمینان سے اس کی طرف متوجہ ہو گئے، پتا نہیں دونوں کس موضوع پر بات کر رہے تھے، جہاں سے سلسلہ ٹوٹا تھا دوبارہ وہیں سے شروع ہو گیا۔ اس نے ٹرالی میں سے نکال کر تمام لوازمات ٹیبل پر رکھے پھر چائے بنانے کے لیے ٹرالی کھینچتے ہوئے ابا جی کے پاس آ بیٹھی۔

"یہ اتنا تکلف کر ڈالا آپ نے۔" عدیل بھائی کے کہنے پر وہ ٹیبل کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں ہے آپ لیں تو۔" عدیل بھائی نے پلیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی تو وہ کہنے لگا۔

"پہلے ابا جی کو۔"

"تم لو بیٹا! میں بس چائے پیوں گا۔" ابا جی نے کہا تو اس نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی جو ٹرے میں کپ سیدھے کر رہی تھی پھر ایک دم سر اونچا کر کے اس سے پوچھنے لگی۔

"آپ چینی کتنی لیں گے؟"

"ایک چمچ۔" وہ اس کے اجنبی انداز پر محظوظ ہو کر بولا۔ پھر پوچھنے لگا۔ "آپ کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"بس اب تو ڈاکٹر بننے والی ہے۔" اس سے پہلے عدیل بھائی بول پڑے۔

"اچھا۔ مرہم پٹی وغیرہ کر لیتی ہیں۔" شاہ سکندر نے ازراہِ مذاق کہا تو وہ بھی اس کے انداز میں بولی۔

"مرہم پٹی نہیں چیر پھاڑ بھی کر لیتی ہوں۔" شاہ سکندر کے ساتھ عدیل بھائی بھی بے ساختہ ہنسے اور ابا جی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"میری بیٹی بہت قابل ہے۔"

"اسی لیے میں کہتا ہوں ابا جی کہ اسے ایف آر سی ایس کے لیے باہر بھیج دیں۔" عدیل بھائی نے کہا تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔ لیکن دھیان ابا جی کی طرف تھا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں اور ابا جی نے ان کے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ موضوع ہی بدل گئے۔

"شاہ سکندر کچھ لے نہیں رہے لو ناں بیٹا۔" اور اس نے دیکھا شاہ سکندر اطمینان سے ہو گیا تھا۔ تب وہ باری باری سب کو چائے تھما کر کمرے سے نکل آئی۔ احمر اور نبیل برآمدے میں بیٹھے کیرم بورڈ کھیل رہے تھے۔ اس نے کچھ دیر رک کر ان کے کھیل کو دیکھا پھر اماں جی کے کمرے میں آ گئی۔ میمونہ بھابی بھی وہیں موجود تھیں۔ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"مہمان چلا گیا؟"

"نہیں میں چلی آئی۔" اپنے ہی کسی خیال میں رہ کر اُس نے کہا اور اماں جی کے پاس بیٹھ گئی۔

✿ ✿ ✿

تپتی ہوئی طویل دوپہریں ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھیں۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے شہر بانو نے ٹیرس پر رُک کر دور تک نظر ڈالی تیز دھوپ میں ہر شے چمک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں زیادہ دیر تک دھوپ میں نہیں دیکھ سکیں۔ اس طرف سے رُخ موڑا تو آنکھوں کے سامنے دائرے سے بننے لگے۔ کچھ دیر بعد منظر صاف ہوا تو تب وہ سُست روی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ ان طویل دوپہروں میں ہمیشہ وہ بھرپور نیند لیا کرتی تھی۔

لیکن جس روز سے شاہ سکندر نے اپنا بوجھ اس کے کاندھوں پر ڈالا تھا۔ دوپہر تو کیا رات کی نیندیں بھی اُچاٹ ہو گئی تھیں۔ اور خود شاہ سکندر کتنے آرام سے تھا۔ اس کا اطمینان دیکھ کر تو شہر بانو کے اندر الاؤ دہک اٹھتا تھا۔ یعنی اسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کتنی محبتوں کا خون کرنے جا رہا ہے۔ اپنی محبت میں اتنا خودغرض ہو گیا کہ بہن کا بھی خیال نہیں، اُلٹا اپنا بوجھ اس پر ڈال دیا۔

"بی بی جان سے کہہ دینا میں مہر النساء سے شادی نہیں کروں گا۔" آج صبح بھی وہ اسے بہت تاکید سے کہہ گیا تھا اور اس کے لیے بی بی جان تک اس کا پیغام پہنچانا کچھ مشکل تو نہیں تھا لیکن اس کے بعد اٹھنے والے طوفان کو سوچ کر ہی وہ اب تک خاموش تھی۔ جانتی تھی کہ اس طوفان میں اس کا بھی اتنا ہی نقصان ہو گا جتنا مہر النساء کا۔ اتنے دن اس نے بہت کوشش کی خود کو فریب دینے کی کہ شاہ سکندر کا انکار اس کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ نہیں تھا کہ اسے اپنی یا شاہ ہارون کی محبت پر بھروسا نہیں تھا۔ بہت یقین تھا لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی خاندانی روایات کو بھی اچھی طرح جانتی تھی۔ اس لیے اپنے دل میں کسی خوش فہمی کو جگہ نہیں دے سکی۔

مسلسل ذہنی انتشار کے باعث اسے اپنا وجود کسی نامعلوم شکنجے میں جکڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ شام میں بی بی جان کے بلانے پر وہ اُن کے کمرے میں آئی تو دل چاہا ان کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ کم از کم دل کا بوجھ تو ہلکا ہو ہی جائے گا لیکن وہ ایسا نہیں کر سکی۔ کیونکہ بی بی جان پہلے ہی کچھ برہم دکھائی دے رہی تھیں۔

"سکندر آج پھر کراچی گیا ہے۔" وہ جیسے ہی بیٹھی بی بی جان کہنے لگیں۔ "میں نے تمہارے بابا جان سے پوچھا ہے ان کا تو ایسا کوئی کام نہیں ہے پھر سکندر کس کام سے ہر چوتھے دن کراچی بھاگا جاتا ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" فوری طور پر وہ یہی کہہ سکی کیونکہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ بی بی جان اسے شاہ سکندر کا یہ نیا معمول بتا رہی ہیں یا اس سے سوال کر رہی ہیں۔

"کیوں اس روز تمہیں بھی تو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ کوئی خاص خریداری بھی نہیں کی تم نے پھر سارا دن کہاں رہے؟" بی بی جان نے اسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"میں سارا دن بھائی کے ساتھ نہیں تھی بی بی جان! وہ مجھے اپنے دوست احمد حسن کے گھر چھوڑ کر کسی کام سے چلے گئے تھے۔ سہ پہر میں واپس آئے تب مجھے شاپنگ کے لیے لے گئے اور وہاں سے ہم سیدھا یہاں چلے آئے تھے۔" اس نے کچھ رُک کر صاف گوئی سے بتایا تو بی بی جان پوچھنے لگیں۔

"احمد حسن کے گھر کون کون ہے؟"

''ان کی والدہ اور چھوٹی بہن۔ دونوں بہت اچھی ہیں۔ مجھ سے بہت محبت سے ملیں۔'' اس نے بتانے کے ساتھ تعریف بھی کی۔

''سکندر کے سامنے آتی ہیں وہ خواتین، پردہ نہیں کرتیں۔'' بی بی جان کے مشکوک انداز پر وہ جز بز ہو کر بولی۔

''نہیں۔''

''ہوں۔'' بی بی جان ہنکارا بھر کر جانے کیا سوچنے میں لگ گئیں۔ اسے الجھن ہونے لگی۔ قدرے توقف سے ہمت کر کے بولی۔

''آپ شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہیں بی بی جان سکندر بھائی نائلہ کو بالکل بہنوں کی طرح سمجھتے ہیں۔'' بی بی جان نے ایسی تیز نظروں سے گھورا کہ وہ اندر ہی اندر سہم کر رہ گئی اور وہاں سے اُٹھنے کا بہانہ سوچنے لگی۔

''شہر بانو، میں تمہاری ماں ہوں۔ مجھ سے اگر تم کچھ چھپانا بھی چاہو گی تو نہیں چھپا سکو گی۔'' بی بی جان نے پہلے اسے گویا تنبیہہ کی پھر کہنے لگیں۔

''میں دیکھ رہی ہوں جس روز سے تم سکندر کے ساتھ کراچی سے ہو کر آئی ہو پریشان ہو۔ ایسی کیا بات ہوئی ہے وہاں یا تم نے کیا دیکھا ہے؟''

''میں کچھ نہیں جانتی بی بی جان!'' وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''کیا نہیں جانتیں؟'' بی بی جان نے اس کا رونا قصداً نظر انداز کر دیا اور ایسے چبھتے لہجے میں پوچھا کہ وہ ڈر کر جلدی سے بولی۔

''آسیہ کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی۔ بھائی نے بھی زیادہ کچھ نہیں بتایا بس اتنا کہا ہے کہ وہ مہرالنساء سے شادی نہیں کریں گے۔''

''کیا؟'' بی بی جان چکرا گئیں۔ ''یہ۔ یہ کب کہا سکندر نے تم سے؟''

''اسی روز، جب میں ان کے ساتھ کراچی گئی تھی'' مشکل مرحلے سے گزر کر اب وہ قدرے پرسکون ہو گئی تھی۔

''اور تم نے اسی روز مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''بتانا چاہتی تھی اور بھائی نے تو بہت تاکید کی تھی کہ میں فوراً آپ کو بتا دوں لیکن میری ہمت نہیں پڑی۔'' اس نے صاف گوئی سے اپنی بے بسی ظاہر کی تو بی بی جان کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہیں، پھر گہری سانس کے ساتھ جیسے اپنے آپ سے بولیں۔

'تو شاہ سکندر کسی لڑکی کے چکر میں ہر تیسرے چوتھے روز کراچی بھاگتا ہے۔'' پھر ایک دم نرم پڑ کر اس کا ہاتھ تھپک کر کہنے لگیں۔

''تم اپنے دل و دماغ پر کوئی بوجھ مت ڈالو۔ ماں باپ کے ہوتے تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔ اور سنو ابھی یہ بات اپنے تک ہی رکھنا۔''

''جی!'' اس نے جھکے ہوئے سر کو آہستہ سے ہلایا پھر پوچھنے لگی۔ ''میں جاؤں بی بی جان؟''

''ہاں اور دیکھو سکندر آئے تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔'' بی بی جان کی اجازت سے ہی وہ ان کے

کمرے سے نکل آئی۔

بڑی بھابی پتا نہیں کسی بات پر جیراں کو ڈانٹ رہی تھیں۔ وہ یکسر نظر انداز کر کے راہداری میں مڑ گئی اور وہاں سے برآمدے میں نکل آئی۔ شاہ سکندر نے صبح اسے اپنے جانے کا بتایا تھا لیکن واپسی کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا اور جانے آج اس کی واپسی ممکن تھی یا نہیں۔ وہ کتنی دیر تک روش پر ٹہل کر اس کا انتظار کرتی رہی۔ پھر تھک کر فوارے کی منڈیر پر آ بیٹھی۔ دن بھر کی گرمی کے بعد اب کچھ ہوا چلنے لگی تھی۔

شاہ یونس حیات اور شاہ جہانگیر حیات کے بچے یوں بھاگتے ہوئے کمروں سے نکلے جیسے انہیں قید سے رہائی ملی ہو۔ ان کے شور پر وہ آپ ہی آپ ان کی طرف متوجہ ہو گئی اور کچھ دیر تک انہیں کھیلتے اور ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھتی رہی پھر اکتا کر اٹھنے کو تھی کہ بڑے گیٹ سے داخل ہوئی پجیرو دیکھ کر اس نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا اس کا دھیان شاہ سکندر کی طرف تھا اور وہ انتظار بھی اسی کا کر رہی تھی لیکن اس کی بجائے شاہ ہارون کے ساتھ مہرالنساء کو دیکھ کر اس کا دل اندر ہی اندر بیٹھنے لگا۔ ہمیشہ کی طرح وہ بے اختیار مہرالنساء کی طرف لپکی بھی نہیں بلکہ اسی طرح اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ شاہ ہارون نے اندر جاتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اسے سلام کیا تب وہ کچھ ہوش میں آ کر کھڑی ہو گئی اور مہرالنساء کو دیکھ کر کوشش سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"آنا ہی تھا تو صبح سے آتیں۔"

"باقاعدہ پروگرام کے تحت نہیں آئی۔ وہ تو ابھی ہارون بھائی آ رہے تھے مجھ سے پوچھا چلو گی اور میں چل پڑی۔" مہرالنساء نے یوں بتایا جیسے اس کے من کی مراد بر آئی ہو۔

"اچھا کیا۔ آؤ اندر چلیں۔" وہ ہمیشہ کی طرح مہرالنساء کو چھیڑنے کی بجائے نظریں چرا کر بولی۔

"تم یہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی تھیں؟" مہرالنساء نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے یونہی پوچھ لیا اور وہ بلا ارادہ سچ بول گئی۔

"میں سکندر بھائی کا انتظار کر رہی تھی۔"

"کہاں گئے ہیں؟" مہرالنساء کے لہجے میں ہمیشہ والی بے قراری تھی۔ اور اس بار وہ سنبھل کر بولی۔

"کراچی۔ اصل میں، میں نے ان سے کچھ چیزیں منگوائی تھیں خصوصاً دو تین ناول جن کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ اور میں نے بھائی سے کہا بھی تھا کہ آج مجھے ہر حال میں مل جانے چاہئیں لیکن دیکھو ابھی تک نہیں آئے۔"

"بہت غیر ذمہ دار ہیں تمہارے بھائی اور لاپرواہ بھی۔" مہرالنساء نے کہا تو وہ ہمیشہ کی طرح اسے جھٹلا نہیں سکی۔ بلکہ یوں بن گئی جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ اور اندر داخل ہو کر کہنے لگی۔

"تم بی بی جان سے مل لو پھر اوپر آ جانا۔ بی بی جان اپنے کمرے میں ہوں گی۔" مہرالنساء کچھ کہے بغیر بی بی جان کے کمرے کی طرف مڑ گئی اور وہ اوپر چلی آئی۔

اس وقت مہرالنساء کی آمد نے اسے خاصا پریشان کر دیا تھا۔ کیونکہ ذہنی طور پر وہ بہت اپ سیٹ تھی اور اسے خدشہ تھا کہ کہیں مہرالنساء کے سامنے بے دھیانی میں وہ کوئی ایسی بات نہ کہہ جائے جو اسے شبے میں مبتلا کر دے جبھی اس کے اوپر آنے تک وہ مسلسل خود پر قابو پانے میں لگی رہی۔

"اف، اتنی گرمی میں کیسے بیٹھی ہو۔ پردے تو ہٹاؤ۔" مہرالنساء نے کمرے میں آتے ہی کہا تو اس نے جلدی سے پہلے پنکھے کا بٹن آن کیا پھر کھڑکی سے پردے سمیٹنے لگی۔ مہرالنساء نے اپنا بڑا سا دوپٹہ اتار کر ایک

طرف رکھا پھر کھڑکی کے قریب آکر اندھیرے میں دیکھتے ہوئے بولی۔
"بارش ہونے کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ لیکن شکر ہے ہوا چلنے لگی ہے۔ دن میں کتنی گرمی تھی۔"
"ہوں۔" وہ اپنے ذہن کو حاضر رکھنے کی خاطر پوری توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی لیکن جواب میں صرف ہوں کہہ کر رہ گئی۔
"کیا بات ہے؟" کچھ دیر بعد مہرالنساء اس کی خاموشی محسوس کر کے ٹوکتے ہوئے بولی۔ "آج تم کچھ چپ چپ سی ہو۔ بی بی جان نے بھی زیادہ بات نہیں کی۔"
"بی بی جان آج کچھ غصے میں ہیں۔" اس نے یونہی بات بنا ڈالی۔
"خیریت؟"
"ہاں بس۔" وہ اسی قدر کہہ سکی پھر فوراً موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگی۔ "یاد آیا مہرو۔ میں کراچی سے بہت اچھے گانوں کی کیسٹیں لائی ہوں سنو گی۔"
"ضرور۔" مہرالنساء نے اشتیاق سے کہا تو وہ فوراً ریک کے پاس آکر کیسٹ دیکھنے لگی۔ لیکن پھر یاد آیا کہ اس روز اس نے ساری چیزیں الماری میں رکھ دی تھیں۔ ریک چھوڑ کر الماری کھولی اور جیسے ہی شاپر نکالنے لگی آگے رکھا مہرالنساء کا پیکٹ جو اس نے شاہ سکندر کے لیے دیا تھا نیچے آرہا جسے اس سے پہلے ہی مہرالنساء نے لپک کر اٹھالیا اور بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

✿ ✿ ✿

"میں جانتا ہوں تمہارا وقت کتنا قیمتی ہے۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب جب تک تم امتحانوں سے فارغ نہیں ہو جاؤ گی شہر تو کیا تمہارے خیالوں میں بھی نہیں آؤں گا۔" شاہ سکندر کے بلانے پر وہ آتو گئی تھی لیکن شاکی بھی تھی جبھی وہ اس سے آئندہ احتیاط کا وعدہ کرتے ہوئے بولا۔ تو اس کی آخری بات پر وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کی خاطر چہرہ موڑ کر لہروں کی سرکشی دیکھنے لگی۔ لیکن وہ اس کی مسکراہٹ دیکھ چکا تھا پھر بھی قصداً انجان بن کر چند قدم آگے چلا گیا کچھ دیر بعد وہ قریب آکر پوچھنے لگی۔
"جب آپ جانتے ہیں میرا لمحہ لمحہ قیمتی ہے پھر ملنے پر اتنا اصرار کیوں تھا؟"
"میں شاہ پور جانے سے پہلے یہ یقین چاہتا ہوں کہ ہر قسم کے حالات میں تم میرا ساتھ دو گی۔" شاہ سکندر نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔
"کیا مطلب؟" وہ کچھ الجھ سی گئی۔ اور اس نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ ادھر ادھر یوں دیکھنے لگا جیسے بیٹھنے کی جگہ تلاش کر رہا ہو۔ پھر جیسے اپنے آپ سے بولا۔
"میرا خیال ہے یہاں ٹھیک نہیں ہے آؤ ادھر ریسٹورنٹ میں چلتے ہیں۔" وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی ریسٹوران میں داخل ہو کر شاہ سکندر نے ایک ٹیبل کی طرف ہاتھ اٹھا کر اسے وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اپنی مدد آپ کے تحت ٹرے اٹھا کر اس میں سینڈوچز اور ڈرنکس رکھنے لگا۔ پھر آکر ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔
"لیجیے مادام آپ کے لیے۔"
"پلیز۔" آسیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا اور اس کے بیٹھنے پر کہنے لگی۔
"میرے صبر کا امتحان آپ پھر کبھی لے لیجیے گا اس وقت میں سخت اُلجھن محسوس کر رہی ہوں۔"

"سوری! میں تمہیں الجھانا یا پریشان کرنا نہیں چاہتا اور نہ ہی تم پریشان ہونا۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

"کیا کوئی ایسی بات ہے؟" آسیہ کے لہجے میں آپ ہی آپ اندیشے سمٹ آئے تو وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر قصداً مسکرایا پھر کہنے لگا۔

"پتا نہیں تم کیا سمجھ رہی ہو۔ میں تو تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارے امتحانوں کے فوراً بعد میں اپنے گھر والوں کو لے آؤں گا۔ تمہیں یا تمہارے گھر والوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا ناں۔" وہ جو اس پر نظریں جمائے بیٹھی تھی اس کی بات پر نہ شرمائی نہ لجائی اسی طرح اسے دیکھتی رہی پھر پلکیں جھکا کر بولی۔

"میرا خیال ہے اصل بات کچھ اور ہے۔"

"اصل بات یہی ہے باقی ساری باتیں اس کے بعد کی ہیں۔" وہ فوراً بولا۔

"اصل بات یہی ہے باقی ساری باتیں بھی کہہ ڈالیے۔" وہ میز کی شفاف سطح پر انگلی سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے بولی، تو وہ کچھ دیر تک اس کی جھکی ہوئی پلکوں کو دیکھتا رہا پھر سوچ کر کہنے لگا۔

"مجھے غلط نہیں سمجھنا آسیہ! میں تمہارے ساتھ اتنا ہی مخلص ہوں جتنا اپنے آپ کے ساتھ۔ میں نے تمہیں دیکھا، پسند کیا اور پھر تمہیں اپنانے کا فیصلہ کر کے ہی میں نے تمہاری طرف پیش رفت کی۔ اگر محض دوستی یا وقت گزاری کا خیال ہوتا تو میں کبھی تمہارے گھر تک نہ پہنچتا۔ بہر حال مجھے یقین ہے تمہارے گھر میں کوئی بھی مجھے ناپسند نہیں کرتا۔ لیکن اصل مسئلہ میرے گھر کا ہے جہاں برادری سے باہر شادی کا تصور نہیں ہے۔" وہ جو سر جھکائے سکون سے اس کی بات سن رہی تھی ذرا سی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا جبھی رُکا نہیں۔

"صرف جائیداد کی وجہ سے آپس ہی میں رشتے طے کر دیے جاتے ہیں۔ اگر اچانک تم نے آ کر میری زندگی میں ہلچل نہ مچائی ہوتی تو شاید بلکہ یقیناً میری زندگی کی ناؤ بھی ایک مخصوص دھارے پر بہہ نکلتی لیکن اب ایسا نہیں ہے بلکہ میں تم سے ہٹ کر سوچ بھی نہیں سکتا اور میری پہلی کوشش یہی ہوگی کہ میرے والدین خوشی سے میرے فیصلے کو قبول کر لیں۔ دوسری صورت میں۔" وہ خاموش ہو کر ایک دم اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تو وہ ہونٹ بھینچ کر نظروں کا زاویہ بدل گئی شاہ سکندر سمجھ نہیں پایا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ قدرے توقف سے کہنے لگا۔

"تم نے پوچھا نہیں کہ دوسری صورت میں کیا ہوگا؟"

"میں جانتی ہوں، دوسری صورت میں آپ سب چھوڑ کر چلے آئیں گے۔" اس نے کہا تو وہ فوراً بے تابی سے بولا۔

"اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس صورت میں تم میرا کتنا ساتھ دو گی۔" اس کی بے تابی شدت سے محسوس کرنے کے باوجود وہ فوراً جواب دینے کی بجائے سوچ کر بولی۔

"گو کہ میرے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار میرے والدین کو ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ میری مرضی کے بغیر وہ خود سے کوئی فیصلہ نہیں کریں گے، اور شاہ سکندر حیات آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ میری زندگی میں اس مقام پر فائز ہو چکے ہیں جہاں آپ سے پہلے کوئی تھا نہ آپ کے بعد کوئی ہو سکتا ہے۔"

"آسیہ!" شاہ سکندر نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔ تو وہ گھبرا کر بولی۔

"پلیز، کچھ خیال کریں۔"

''سوری!'' وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔
''میرا خیال ہے چلنا چاہیے۔'' وہ گھڑی دیکھ کر بولی۔ اور فوراً کھڑی بھی ہو گئی تو مجبوراً شاہ سکندر کو اٹھنا پڑا۔

واپسی کے راستے میں وہ قصداً اس موضوع سے ہٹ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ اور جب وہ اپنے اسٹاپ پر اُترنے لگی تب روک کر کہنے لگا۔

''سنو، تم ابھی کچھ مت سوچنا۔ میرا مطلب ہے اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالنا۔ ہو سکتا ہے تمہارے امتحانوں کے بعد جب میں آؤں تو میرے ساتھ بی بی جان اور بابا جان بھی ہوں۔'' وہ کیا کہتی ذرا سا سر ہلانے پر اکتفا کیا پھر نیچے اتر کر اسے دیکھنے لگی تو وہ مسکرا کر بولا۔

''جلدی آؤں گا۔ خدا حافظ'' اس کے ساتھ ہی گاڑی آگے بڑھائی اور بیک ویو مرر میں اسے دیکھنے لگا جو لمحہ بہ لمحہ دور ہونے کے باوجود اسے اپنے ساتھ ساتھ محسوس ہو رہی تھی۔

✿ ✿ ✿

شاہ سکندر تمام راستہ یہی سوچتا آیا تھا کہ اگر شہر بانو نے بی بی جان کو آسیہ کے بارے میں نہیں بتایا ہوگا تو اب وہ خود ہی پہلی فرصت میں بی بی جان سے بات کرے گا۔ کیونکہ اب زیادہ دن نہیں تھے اور وہ جانتا تھا کہ بی بی جان اور بابا جان آسانی سے نہیں مانیں گے، اگر مہرالنساء سے اس کی نسبت طے نہ ہوئی ہوتی تب بھی ان کا ماننا مشکل تھا۔ اور اب تو ظاہر ہے ان کے پاس جواز موجود تھا۔ بہر حال حویلی آتے ہی اس نے سیدھا اپنے کمرے کا رُک کیا خیال تھا شاور لینے کے بعد پہلے شہر بانو سے پوچھے گا لیکن جیسے ہی شاور لے کر نکلا اسی وقت بی بی جان اس کے کمرے میں آ گئیں۔ انہیں دیکھ کر وہ حیران ہونے کے ساتھ کچھ نادم ہو کر بولا۔

''میں ابھی آپ ہی کے پاس آ رہا تھا بی بی جان.....'' بی بی جان اس کے بیڈ پر آرام سے بیٹھ گئیں اور اس کی بات یکسر نظر انداز کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''کراچی سے آ رہے ہو؟''
''جی۔'' وہ دزدیدہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا لیکن ان کے چہرے پر کوئی غیر معمولی تاثر نہیں تھا۔
''ٹھہرے کہاں تھے؟''
''جی ہوٹل میں۔''
''وہاں کوئی بنگلہ کیوں نہیں خرید لیتے اکثر جانا ہوتا ہے تمہارے بابا جان بھی جاتے رہتے ہیں اپنا گھر ہونا چاہیے میں کہوں گی تمہارے بابا جان سے۔'' بی بی جان نے سرسری سے انداز میں کہا پھر اٹھنے لگیں کہ وہ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''بیٹھیں ناں بی بی جان، کہاں جا رہی ہیں؟''
''میں تمہارے لیے چائے بھجواتی ہوں۔ سفر سے آ رہے ہو۔''
''ہاں چائے کی خواہش تو ہے لیکن آپ بیٹھیں، میں جیراں سے کہہ آتا ہوں۔'' وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل آیا زینہ اترتے ہی جیراں نظر آ گئی۔ اسے جلدی سے چائے لانے کا کہہ کر وہ وہیں سے پلٹ آیا اور بی بی جان کے پاس بیٹھتے ہی بس اچانک بلا ارادہ ہی کہنے لگا۔

''بی بی جان! وہ شہر بانو نے آپ کو بتایا ہوگا میرا مطلب ہے آسیہ کے بارے میں۔''

بی بی جان بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔ وہ اپنے آپ رُک گیا۔ اور محض ان کی نظروں سے بچنے کی خاطر اُٹھ کر کھڑکی سے ذرا سا پردہ سرکایا پھر وہیں سے کہنے لگا۔

"اگر نہیں بتایا تو میں بتا رہا ہوں کہ میں آسیہ کو پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں۔" کتنی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ بی بی جان نے کچھ کہا نہیں۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک پل کو اس کی رگوں میں لہو کی گردش تھم گئی تھی۔ سامنے بابا جان کھڑے تھے۔

✿ ✿ ✿

شاہ سکندر نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں خود پر قابو پالیا اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"بڑی مبارک ساعت ہے کہ بی بی جان اور بابا جان میرے کمرے میں موجود ہیں۔ ایسے موقع پر وہ کیا کہتے ہیں۔ کبھی ہم ان کو۔"

"سکندر حیات! ہمیں چکر دینے کی کوشش مت کرو، تم جانتے ہو ہم ہیرا پھیری پسند نہیں کرتے۔" بابا جان نے ٹوکتے ہوئے غضب ناک لہجے میں کہا تو وہ ان کے غضب سے مرعوب ہوا بھی تو ظاہر نہیں کیا بہت سنبھل کر بولا۔

"میں بھی ہیرا پھیری پسند نہیں کرتا بابا جان! پوچھ لیجیے بی بی جان سے سیدھے صاف لفظوں میں، میں نے انہیں بتایا ہے کہ۔"

"ان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے برخوردار۔ ہم تمہاری بات سن چکے ہیں اب تم سن لو کہ ہمارے فیصلے پتھر کی لکیر ہوتے ہیں۔"

بابا جان نے فوراً ہی اس انداز میں اُس پر واضح کیا کہ مزید اس سلسلے میں کچھ نہیں سنیں گے اور وہ بھی فوراً بول پڑا۔

"میں آپ کے فیصلے کو چیلنج نہیں کر رہا بابا جان!"

"پھر تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"آپ دھیرج سے میری بات سنیں۔" وہ چاہتا تھا سہولت سے بیٹھ کر اپنا مدعا بیان کرے لیکن بابا جان آمادہ نہیں ہوئے۔

"ہم تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے اس لیے کہ مہر النساء سے تمہاری نسبت ہم نے بالا ہی بالا طے نہیں کی تھی، تم سے پوچھ کر تمہاری مرضی سے یہ رشتہ طے ہوا تھا کیوں یونس کی ماں؟" بابا جان نے ایک دم بی بی جان کو مخاطب کیا تو وہ جو بہت خاموشی سے باپ بیٹے کی گفتگو سن رہی تھیں۔ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"تو پوچھو اس سے کہ اب اسے مہر النساء میں کون سے عیب نظر آنے لگے جو۔"

"خدا کے لیے بابا جان! ایسی باتیں نہیں کریں۔" وہ عاجزی سے بولا۔ "میں ایسے کسی سبب سے مہر النساء کو ریجیکٹ نہیں کر رہا بلاشبہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"اور وہی اچھی لڑکی اس گھر کی بہو بنے گی۔" بابا جان کے حتمی انداز پر وہ ہونٹ بھینچ کر بی بی جان کو دیکھنے لگا کہ شاید وہ کچھ کہیں گی پھر ان کی طرف سے مایوس ہو کر قدرے جرأت سے بولا۔

"کم از کم میں تو اسے بیاہنے نہیں جاؤں گا۔"

"کیا کہا؟" انتہائی غصے سے بابا جان کی آواز پھٹ گئی۔ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے چند

قدم آگے آ کر رک گئے اور کچھ دیر تک اس پر نظریں جمائے رکھنے کے بعد کہنے لگے۔

''ہم اسی وقت تمہیں شوٹ کر سکتے ہیں یا اگر چاہیں تو عاق کر کے ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے نکال دیں۔ بات تو ایک ہی ہے لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے، جانتے ہو کیوں؟''

اس قدر ٹھہرا ہوا سفاک لہجہ تھا کہ اس کڑیل جوان کا پورا وجود سن ہو گیا۔ بہت کوشش کے باوجود وہ اُن کی طرف دیکھ نہیں سکا۔

''کیونکہ ابھی مہرالنساء کو اس حویلی کی بہو بننا ہے۔ جسے تم بیاہ کر لاؤ گے۔''

بابا جان اسے شوٹ نہ کرنے کا سبب بتا کر فوراً اس کے کمرے سے چلے گئے۔ اور جب بی بی جان اُن کے پیچھے جانے لگی تب ایک دم ہوش میں آ کر وہ ایک ہی جست میں اُن کے سامنے جا کھڑا ہوا اور ان کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''بی بی جان! میں آپ کو اور بابا جان کو ناراض نہیں کرنا چاہتا۔''

''اور کس طرح ناراض کرو گے؟'' بی بی جان کے شاکی لہجے پر وہ زچ ہو کر بولا۔

''آپ میری بات تو سنیں۔''

''نہیں سکندر حیات! جو کچھ تمہارے بابا جان کہہ گئے ہیں اسے حرف آخر سمجھو۔''

بی بی جان نے اس کی بات سننے سے صاف انکار کر دیا۔ تو گہری سانس کھینچتے ہوئے اس نے ان کے کندھوں پر سے ہاتھ ہٹا لیے پھر ان کے سامنے سے ہٹتے ہوئے بولا۔

''کہہ دیجیے بابا جان سے کہ مہرالنساء کو بیاہنے میں نہیں میری لاش جائے گی۔''

بی بی جان نے دہل کر اسے دیکھا تھا۔

❁ ❁ ❁

شاہ سکندر کے لیے کوئی بات غیر متوقع نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا بابا جان اور بی بی جان کو رام کرنا آسان نہیں ہے۔ پھر بھی وہ مایوس نہیں تھا اور ابھی تو بات شروع ہوئی تھی۔ اس کے خیال میں پہلے مرحلے پر یہی ہونا تھا۔ بابا جان اسے شوٹ کرنے کی دھمکی دیں گے۔ پھر کچھ دن ناراضگی کا اظہار، اس کے بعد آپ ہی آپ نرم پڑ جائیں گے۔ اُس وقت وہ یہی سب سوچتا ہوا اپنے کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آ کھڑا ہوا۔ شام اتر رہی تھی۔ پہلے اسے بے پناہ خاموشی کا احساس ہوا یوں جیسے اس کے آس پاس بلکہ پوری حویلی میں اور کوئی موجود ہی نہ ہو پھر اچانک ہلچل مچ گئی۔ اس نے ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر نیچے جھانک کر دیکھا بابا جان شاہ یونس حیات کے ساتھ بہت تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے ان کے پیچھے دو تین ملازم بھاگنے کے باوجود درمیانی فاصلہ کم نہیں ہونے دے رہے تھے۔

اس نے بہت خاموشی سے بابا جان اور شاہ یونس کو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا اور جب گاڑی رینگتی ہوئی حویلی کی حدود سے نکل کر سیاہ چمکتی ہوئی سڑک پر فراٹے بھرنے لگی تب اسے پہلا خیال یہی آیا کہ اس وقت بابا جان کہاں گئے ہیں اور اس خیال کے ساتھ ہی وہ کچھ ٹھٹھک گیا کیونکہ یہ بابا جان کا معمول نہیں تھا اور ابھی وہ اس غیر معمولی بات پر غور کر ہی رہا تھا کہ عقب سے شاہ جہانگیر نے اسے پکار لیا۔

''سکندر!''

''جی بھائی!'' وہ بے اختیار فوراً پلٹ کر انہیں دیکھنے لگا تو قریب آ کر انہوں نے یونہی پوچھ لیا۔

''یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''کچھ نہیں، بابا جان کو دیکھ رہا تھا، کہاں گئے ہیں؟'' اس کی سوچ آپ ہی آپ سوال کی صورت زبان پر آ گئی۔

''بابا جان! کہاں گئے ہیں؟'' شاہ جہانگیر نے اُلٹا اُس سے پوچھا۔ انداز ایسا تھا جیسے انہیں بابا جان کے جانے کی خبر ہی نہیں۔

''پتا نہیں، میں نے ابھی انہیں جاتے ہوئے دیکھا ہے یونس بھائی بھی ساتھ تھے۔''

''اچھا، مجھے نہیں معلوم۔'' شاہ جہانگیر کے بے نیازی دکھانے پر وہ خاموش ہو رہا تو اس کے پیچھے نظریں دوڑاتے ہوئے شاہ جہانگیر نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''شام ہو رہی ہے۔'' پھر اسے دیکھ کر بولے۔ ''آؤ اندر چلتے ہیں۔''

''جی!'' وہ ان کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گیا۔ ٹیوب لائٹ آن کی پھر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''لگتا ہے۔ آپ کو بچے یاد آ رہے ہیں۔''

''ہاں! بس اب جلدی سے چھٹیاں ہوں تو جا کر انہیں لے آؤں۔'' شاہ جہانگیر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''میرا تو خیال ہے بھائی! بچوں کو کراچی کے کسی اچھے اسکول میں داخل کروا دیں۔ قریب بھی ہے، ہر ویک اینڈ پر آ سکتے ہیں۔''

اس نے کہا تو شاہ جہانگیر منہ بناتے ہوئے بولے۔

''نہیں یار! مجھے کراچی کی آب و ہوا پسند نہیں ہے موسموں کا پتا ہی نہیں چلتا۔''

''ہوں'' وہ کیا کہتا بس ان کی تائید کر کے رہ گیا۔

''سنا ہے۔ تمہیں کراچی کا موسم راس آ گیا ہے۔''

شاہ جہانگیر نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ ذرا سا چونکا پھر ان کا اشارہ سمجھ کر اس کے ہونٹ بے ساختہ مسکراہٹ کی گرفت میں آ گئے جبکہ نظروں میں وہ خوبصورت سراپا آن سمایا تھا جس کی خاطر وہ اپنی خاندانی روایات تو کیا ساری دنیا سے لڑ سکتا تھا۔ شاہ جہانگیر نے گہری نظروں سے اسے کھوجا پھر کہنے لگے۔

''سخت حماقت کی ہے تم نے، جانتے ہو اس کا انجام کیا ہوگا؟''

''زیادہ سے زیادہ بابا جان مجھے شوٹ کر دیں گے۔'' اس نے اتنے آرام سے کہا کہ شاہ جہانگیر کو واقعی شدید جھٹکا لگا۔ بے حد تاسف سے بولے۔

''بس اپنے بارے میں سوچ لیا تم نے، اور ہم سب؟ ہم سب کی کوئی اہمیت نہیں تمہاری نظر میں۔''

''یہ بات نہیں ہے بھائی!'' وہ نظریں چرا گیا۔

''پھر؟''

''میں نے کوئی جرم، کوئی گناہ نہیں کیا۔ اپنی زندگی جینا چاہتا ہوں۔ آپ اگر جان ہی گئے ہیں تو میرے بجائے بی بی جان اور بابا جان کو سمجھائیں۔''

''کیا سمجھاؤں؟'' شاہ جہانگیر نے اپنی نشست کا انداز بدلتے ہوئے پوچھا تو وہ انہیں اپنی بات توجہ سے سننے پر آمادہ دیکھ کر کہنے لگا۔

''میں کوئی لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھنا چاہتا بھائی، سیدھی صاف بات یہ ہے کہ میں آسیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے اگر بی بی جان اور باباجان خوشی سے راضی ہو جائیں تو اچھی بات ہے دوسری صورت میں میں خود یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''گویا فیصلہ کر چکے ہو۔'' شاہ جہانگیر نے کہتے ہوئے سگریٹ ہونٹوں میں دبایا اور سلگانے کے بعد کہنے لگے۔

''ٹھیک ہے۔ میں مانتا ہوں کچھ حادثات اچانک زندگی کا رُخ موڑ دیتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ بندہ ایک دم سے ہتھیار ڈال دے۔ اس لڑکی کی طرف پیش رفت سے پہلے تمہیں کم از کم یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ بہن شہر بانو اس گھر میں منسوب ہے جہاں تمہاری نسبت ٹھہر چکی ہے۔''

''میں اگر یہ سب سوچتا تب بھی خود کو اس کی طرف بڑھنے سے نہیں روک سکتا تھا۔''

اس نے صاف گوئی سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا تو شاہ جہانگیر نے بھنویں اچکا کر تعجب سے اسے دیکھا پھر کہنے لگے۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے جذباتی ہو، اور اب تو نادان بھی کہوں گا۔ کیا ضرورت تھی اتنی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے کی، کچھ حکمت عملی سے کام لیتے۔'' اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھا تو کہنے لگے۔

''ایک دم سے یہ کہہ دینا کہ مہرالنساء سے شادی نہیں کروں گا، حماقت کے ساتھ خود غرضی بھی ہے۔ کتنی زندگیاں متاثر ہوں گی تمہارے انکار سے، اگر پہلے نہیں سوچا تو اب سوچو۔ چلو دوسروں کو چھوڑو صرف اپنے بارے میں سوچ کر بتاؤ کہ یہاں سے نکل کیا کرو گے؟''

''ظاہر ہے، آسیہ سے شادی۔'' وہ بنا سوچے بول گیا تو شاہ جہانگیر ذرا سا مسکرائے۔

''تمہارے ذہن پر صرف آسیہ سوار ہے۔ بائی داوے کیا کرتی ہے؟''

انہوں نے پہلی بار اس لڑکی کے بارے میں اشتیاق سے پوچھا۔

''میڈیکل کے آخری سال میں تھی۔ میرا مطلب ہے آج کل فائنل امتحان دے رہی ہوگی۔''

وہ ان کے سوال کا جواب دینے کے ساتھ آسیہ کی تعریف کرنے لگا۔

''بہت ذہین لڑکی ہے۔ میٹرک سے پوزیشن لیتی آ رہی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے مستقبل قریب کی کامیاب ڈاکٹر۔'' انہوں نے سوچتے ہوئے انداز میں جیسے اپنے آپ سے کہا۔ پھر اسے دیکھ کر تاسف سے بولے۔

''اسی لیے اتنے اطمینان سے ہو تم، باباجان عاق کر دیں یا تم خود سب چھوڑ کر چلے جاؤ آگے کوئی تردد نہیں کرنا پڑے گا تمہیں۔''

''نہیں جہانگیر بھائی۔'' جوشِ جذبات سے اچانک اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

''اتنا بے غیرت نہیں ہوں میں کہ عورت کی کمائی پر تکیہ کرنے لگوں۔ میں اسے نوکری کی اجازت بھی اس وقت دوں گا جب میرے گھر میں اس کے پیسے کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

''اور اس سے پہلے کیا کرو گے؟'' شاہ جہانگیر کا انداز ہنوز تھا۔ ٹھہرا ہوا، دوستانہ، جیسے اس سے ہر بات اگلوانے کا سوچ کر آئے ہوں۔

''میں خود کماؤں گا۔ نوکری یا کوئی چھوٹا موٹا بزنس۔''

''ہوں، یہی میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یہاں سے نکل کر کیا کرو گے اور تم نے فوراً آسیہ سے شادی کی بات کر دی۔''

انہوں نے کہا تو وہ اپنی جلد بازی پر خجل سا ہو کر سر کھجانے لگا۔

''بہر حال یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ اس لیے میرا مشورہ مانو، بابا جان کو ناراض مت کرو۔'' انہوں نے کہا تو وہ پھر فوراً بول پڑا۔

''میں آسیہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔''

''میں اسے چھوڑنے کو نہیں کہہ رہا۔ اور نہ ہی میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کے لیے تم یہاں سے سارے ناتے توڑ کر چلے جاؤ۔ بلکہ کوئی اور راستہ سوچو۔''

''تمہارے پیش نظر صرف اپنی ذات نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سراسر خود غرضی ہے۔ سمجھ رہے ہو ناں۔'' شاہ جہانگیر پتا نہیں اسے کیا سمجھانا چاہتے تھے۔ وہ بے حد خاموش نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

✿.....✿.....✿

آسیہ کو اپنا سابقہ ریکارڈ برقرار رکھنا تھا اس لیے امتحانوں کے دوران اس نے کسی خیال کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ پوری یکسوئی اور دلجمعی سے پڑھنے میں لگی رہی تھی۔ خدا خدا کر کے امتحان ختم ہوئے تو جہاں اس نے سکون کا سانس لیا وہاں اس کے بھتیجے بھتیجیاں خوش ہو گئے۔ کیونکہ امتحانوں کے دوران کسی کو اس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی اور سب بچے اس سے اتنے مانوس تھے جب تک دن بھر کی روداد اسے سنا نہ لیتے، انہیں چین نہیں آتا تھا۔

وہ سب سے محبت بھی تو بہت کرتی تھی۔ اکثر ان کے ساتھ بچہ بن جاتی۔ ان کے کھیل میں شریک ہوتی اور ادھر اتنے دن وہ اپنے کمرے میں بند رہی تو ظاہر ہے بچے پریشان ہو گئے تھے۔ میمونہ بھابی الگ بولائی بولائی پھر رہی تھیں اور وہ جو آخری پیپر کے بعد یہ سوچ کر سوئی تھی کہ اب اگلے دن ہی اٹھے گی، میمونہ بھابی نے سر شام ہی اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''بس اب فوراً اٹھ جاؤ۔ بچے بیچارے تمہاری صورت دیکھنے کو ترس گئے ہیں۔''

''توبہ آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔'' وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ پھر انہیں دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''کہاں ہیں بچے۔''

''ارے احمر اور سونیا تو یہیں دھاوا بولنے والے تھے بڑی مشکل سے انہیں روکا ہے چلو اب تم جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آؤ چائے بھی تیار رکھی ہے۔''

میمونہ بھابی جاتے جاتے پنکھے کا بٹن بند کرتی گئیں غالباً اس خیال سے کہ کہیں وہ دوبارہ نہ سو جائے اور ناچار اسے اٹھنا پڑا۔ منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکلی تو اسے دیکھتے ہی احمر اور سونیا نے شور مچا دیا۔

''پھپھو آ گئیں۔ پھپھو آ گئیں۔'' وہ کھل کر مسکرائی اور باری باری ان کے گال چھو کر اماں جی کے پاس تخت پوش پر بیٹھی اور ان کی گود سے عمر کو اٹھاتے ہوئے بولی۔

''ماشاء اللہ یہ تو بہت پیارا ہو گیا ہے کس پر گیا ہے؟''

''تم بتاؤ۔'' اماں جی نے کہا تو وہ غور سے عمر کو دیکھنے کے بعد بولی۔

''مجھے تو نبیل کی طرح لگ رہا ہے۔''

''ہاں پیشانی اور آنکھیں نبیل جیسی ہیں۔''

''نبیل ہے کہاں؟'' اسے اچانک نبیل کی کمی محسوس ہوئی، اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔

''ابھی تمہارے ابا جی کے ساتھ باہر گیا ہے۔'' اماں جی نے بتایا تبھی میمونہ بھابی چائے لے کر آ گئیں ٹرے درمیان میں رکھی پھر بیٹھیں تو کہنے لگیں۔

''بچوں کی چھٹیاں ہونے والی ہیں کیوں نہ اماں جی اسلام آباد چلیں۔''

''ہاں پرسوں سیما کا فون آیا تھا وہ بھی بہت اصرار سے بُلا رہی تھی اب دیکھو تمہارے ابا جی کیا کہتے ہیں۔'' اماں جی نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

''ابا جی منع کریں گے کیا؟''

''نہیں، منع کیوں کریں گے۔ لیکن سارا گھر ایک ساتھ بھی تو نہیں جا سکتا ناں۔ یہاں خلیل اور عدیل نوکری والے ہیں، انہیں چھٹی کہاں ملے گی اور ان کے لیے گھر میں ایک عورت کا ہونا بھی ضروری ہے۔''

اماں جی کی بات بھی ٹھیک تھی وہ تائید کرتے ہوئے میمونہ بھابی کو دیکھ کر شرارت سے بولی۔

''یہ تو ہے۔ بس میمونہ بھابی یہیں رہ جائیں گی۔''

''کیا؟'' میمونہ بھابی چیخ پڑیں۔

''میرا مطلب ہے، ابھی اماں جی اور ابا جی کو جانے دیں، ہم بعد میں چلیں گے میں، آپ اور بچے۔'' وہ فوراً وضاحت کر کے خود ہی ہنس پڑی۔

''نہیں اگر جانا ہوا تو پہلے تم دونوں چلی جانا بچے خوش ہو جائیں گے۔''

اماں جی نے کہا تو میمونہ بھابی کے اشارے پر اسے خاموش رہنا پڑا ورنہ وہ منع کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اسے شاہ سکندر کا خیال تھا جانتی تھی کہ وہ بے خبر نہیں ہوگا آج امتحان ختم ہوئے ہیں تو اب اس کا آنا جانا رہے گا۔ اور جب تک کچھ طے نہ ہو جائے، وہ کہیں نہیں جانا چاہتی تھی۔

امتحانوں کی وجہ سے اس نے ہر سوچ کو ذہن سے جھٹک دیا تھا لیکن یہ نہیں تھا کہ اسے شاہ سکندر کا خیال آیا ہی نہیں۔ بلکہ اس کا خیال تو محو ہی نہیں ہوا تھا البتہ اس کے بارے میں کچھ بھی سوچنے سے وہ گریز کرتی رہی تھی اور اب وہ آزاد تھی اس رات دیر تک وہ یہی سوچتی رہی کہ وہ جو کہہ کر گیا تھا کہ اس بار اپنے والدین سے بات کرے گا وہ مان گئے تو ٹھیک ورنہ سب چھوڑ آئے گا تو جانے اس کی آمد کس طرح ہوگی، اپنے والدین کو لے کر آئے گا یا تنہا۔

ہر دو صورتوں میں اس نے اس وقت سے اپنا دل انتظار کی دہلیز پر رکھ چھوڑا تھا۔

صبح وہ معمول کے مطابق اٹھ گئی اور جب تک میمونہ بھابی بچوں کو اسکول کے تیار کرتیں اس نے ناشتا تیار کر لیا۔ بڑے بھیا نبیل کے ساتھ نیچے اترے تو میمونہ بھابی نے احمر اور سونیا کے ساتھ نبیل کو بھی بٹھا لیا اور تینوں کو ناشتا کرا کر اسکول بھیجا اس کے بعد خلیل اور عدیل کی باری آئی تو اس کی نظریں بڑے بھیا کو تلاش کرنے لگیں لیکن وہ جا چکے تھے پھر بھی وہ میمونہ بھابی سے پوچھنے لگی۔

''بڑے بھیا چلے گئے کیا؟''

''ہاں شاید۔'' میمونہ بھابی ٹی پاٹ میں چائے دم کر رہی تھیں مصروف انداز میں جواب دیا۔

''ناشتا بھی نہیں کیا؟'' اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے جب بڑے بھیا کو دیکھا تھا تو اسی وقت

انہیں روک کیوں نہیں لیا۔

"وہ ناشتا نہیں کرتے، شاید انہیں ضد ہو گئی ہے کہ اپنی بیوی ناشتا بنا کر دے گی تو کریں گے ورنہ نہیں۔"

میمونہ بھابی نے اپنا خیال ظاہر کیا پھر ٹی پاٹ اٹھا کر اسے دیکھتی ہوئی بولیں۔

"میں یہ اندر دے آؤں۔ تم اب اپنے اور میرے لیے ناشتا بنا لو۔"

"اماں جی اور ابا جی؟"

"وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔"

میمونہ بھابی کہتے ہوئے چلی گئیں۔ تو اس نے جلدی سے دو انڈے فرائی کیے پھر کیتلی میں مزید پانی ڈال کر چولہا تیز کر دیا۔ اور جب تک میمونہ بھاب، ی خلیل بھائی کو سی آف کر کے آئیں، وہ ٹرے میں ناشتا رکھ چکی تھی انہیں دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

"کہاں بیٹھیں گی؟"

"اپنے کمرے میں چلو، کیونکہ میرا کمرہ اس وقت بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔"

میمونہ بھابی یونہی بلوتی ہوئی چل رہی تھیں اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا ان کے پیچھے اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ ناشتے کی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر ٹیبل بیڈ کے قریب کھینچ لی پھر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"میرا دل چاہ رہا ہے ایک کپ چائے نبیلہ بھابی کو دے آؤں ہو سکتا ہے انہیں کچھ احساس ہو۔"

"اس کے لیے پہلے تمہیں چلہ کاٹنا پڑے گا تاکہ تمہاری چائے کی پیالی میں کچھ اثر ہو۔"

میمونہ بھابی نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے کہا پھر بھی اسے بے ساختہ ہنسی آئی۔

"آپ بھی بس کمال ہیں۔"

"اچھا چلو ناشتا کرو، اس کے بعد جو دل چاہے کرنا۔"

میمونہ بھابی نے ٹوک کر خود کھانا شروع کر دیا تو وہ کپ سیدھے کر کے ان میں چائے ڈالنے لگی۔

پھر ناشتے کے بعد وہ واقعی چائے کا کپ لے کر اوپر چلی آئی۔ نبیلہ بھابی بے خبر سو رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا انہیں کیسے اٹھائے، اندر ہی اندر ڈر بھی رہی تھی کہ پتا نہیں اٹھائے جانے پر ان کا ردعمل کیا ہو گا کہ اس کے ساتھ ان کا رویہ ٹھیک ہی تھا لیکن جس طرح وہ بڑے بھیا کے ساتھ تلخ کلامی کرتی تھیں اس سے وہ اپنے آپ ان سے خائف رہتی تھی۔ کچھ دیر شش و پنج میں کھڑی رہی پھر پکارا تو آواز ہی نہیں نکلی یا شاید بے خبر سوئی نبیلہ بھابی تک نہیں پہنچی۔ تب آہستہ سے ان کا کندھا ہلا کر بولی۔

"بھابی جان! چائے لے لیجیے۔"

"ہوں۔" نبیلہ بھابی نے کسمسا کر ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر وال کلاک پر نظر ڈالی جس کی سوئیاں نو بجا رہی تھیں۔ اور غالباً وہ ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوئی تھیں اٹھتی ہوئی بولیں۔

"بارہ بج رہے ہیں۔"

"نہیں، ابھی نو بجے ہیں۔" وہ چائے کا کپ انہیں تھماتے ہوئے بولی۔

"تمہارا آج پیپر نہیں ہے؟" انہوں نے چائے کا سپ لے کر پوچھا۔

"نہیں کل آخری پیپر تھا۔"
"اچھا، کیسے ہوئے پیپرز؟"
"بہت اچھے۔"
"اس کا مطلب ہے، اس بار بھی ٹاپ کرو گی، ویری گڈ۔ اور یہ تم کھڑی کیوں ہو، بیٹھو ناں۔ اب تو فارغ ہی ہو!"
انہوں نے اسے سرہانے کے ساتھ بیٹھنے کو کہا تو وہ قدرے تکلف سے بیڈ کے کنارے بیٹھتے ہوئے بولی۔
"میں نے آپ کو جلدی اٹھا دیا۔"
"کوئی بات نہیں ویسے کوئی کام ہے مجھ سے؟" انہوں نے پوچھا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔
"نہیں، ابھی سب ناشتے سے فارغ ہوئے ہیں، میں نے سوچا آپ سے بھی پوچھ لوں۔"
"میں ناشتا نہیں کرتی۔ خیر تم سناؤ۔ اب کیا ارادے ہیں بڑے آرام سے اسکالرشپ پر باہر جا سکتی ہو۔ گولڈن چانس ہے مس نہیں کرو۔" انہوں نے اس کا ارادہ پوچھنے کے ساتھ مشورہ بھی دے ڈالا تو وہ قصداً مسکرا کر بولی۔
"یہیں پریکٹس کرلوں، بڑی بات ہے۔"
"ہاں تمہارے لیے یہی بڑی بات ہے۔" نبیلہ بھابی قدرے استہزائیہ ہنسیں تو وہ وہاں سے اٹھنے کے بہانے ڈھونڈنے لگی، اور فوری طور پر یہی بہانا سوجھا۔
"آپ کے لیے اور چائے لاؤں؟"
"نہیں بس اب شاور لوں گی۔" نبیلہ بھابی کہتے ہوئے بیڈ سے اتریں تو وہ بھی ان کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ چائے کا خالی کپ اٹھایا اور آنے لگی تو وہ پکار کر بولیں۔
"سنو! نبیل آئے تو ذرا اسے چیک کر لینا۔ مجھے اس کی آواز بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔"
"جی!" وہ اختصار سے کام لیتی ان کے کمرے سے نکل آئی پھر کتنے دن گزر گئے۔ بچوں کی چھٹیاں ہو گئیں تو میمونہ بھابی سنجیدگی سے اسلام آباد جانے کا پروگرام بنانے لگیں، جبکہ وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح اس کا جانا نہ ہو سکے۔ لیکن اس روز جب خلیل بھائی نے میمونہ بھابی کے ساتھ اسے بھی تیاری کرنے کو کہا تو وہ سچ مچ پریشان ہو گئی تھی۔

✿.....✿.....✿

"میں آسیہ کو چھوڑنے کو نہیں کہہ رہا اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ اس کے لیے تم یہاں سے سارے ناتے توڑ کر چلے جاؤ، بلکہ کوئی اور راستہ سوچو۔" شاہ جہانگیر نے اس سے کہا تھا اور اس وقت سے وہ الجھ رہا تھا بہت سوچنے کے بعد بھی اسے کوئی تیسرا راستہ سمجھ میں نہیں آیا۔ وہی دو راستے تھے کہ شہر بانو کی خاطر اپنی محبت قربان کر دے یا سب چھوڑ کر چلا جائے۔ کیونکہ بابا جان اور پھر بی بی جان بھی اس کی مزید کوئی بات سننے پر تیار نہیں ہوئی تھیں جس سے ظاہر تھا کہ وہ ہر قیمت پر مہرالنساء کو بہو بنا کر لائیں گی اس لیے تین دنوں کی مسلسل ذہنی کش مکش کے بعد بالآخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی خاطر سب چھوڑ دے گا جس نے اسے خوبصورت اور پر کیف لمحات بخشے تھے۔ گو کہ وہ ساحرہ تھی نہ کوئی اپسرا پھر بھی اس میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ پہلی نظر میں ہی شاہ

سکندر حیات اپنی ہستی کا غرور تک بھلا بیٹھا تھا اور اب یہ کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہ اسے اپنی زندگی سے ہی نکال دے جبھی اس کے پاس جان کا فیصلہ کر لیا اور کیونکہ شاہ جہانگیر نے اس روز سہولت سے اس کی بات سنی تھی اس لیے اس نے سوچا وہ انہیں اپنے ارادوں سے آگاہ کر دے۔ اسی خیال سے وہ ان کے کمرے میں آیا تو بھابی جان کو ایک چھوٹا سوٹ کیس تیار کرتے دیکھ کر یونہی پوچھ لیا۔

''کہاں کی تیاری ہے؟''

''تمہارے بھائی جا رہے ہیں مری، بچوں کو لینے۔'' بھابی جان بتاتے ہوئے الماری کی طرف بڑھ گئیں۔ تو وہ سوٹ کیس پر نظر ڈال کر پوچھنے لگا۔

''صرف بچوں کو لانا ہے یا کوئی اور کام بھی ہے؟''

''پتا نہیں۔ لو وہ آ گئے ان ہی سے پوچھ لو۔'' بھابی جان الماری بند کر کے پلٹیں تو اندر آتے شاہ جہانگیر کو دیکھ کر بولیں۔

''کیا پوچھنا ہے؟'' شاہ جہانگیر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہ، آپ کی واپسی کب ہو گی، میرا مطلب ہے مری سے؟''

''پرسوں یا اس سے اگلے دن، کیوں؟'' شاہ جہانگیر بتانے کے ساتھ پھر سوالیہ نشان بن گئے تو وہ قدرے رُک کر بولا۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔ خیر آپ مری سے ہو آئیں تب تک میں بھی کراچی کا چکر لگا آتا ہوں۔'' شاہ جہانگیر سمجھ گئے اسے کیا بات کرنی ہے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ فیصلہ بھی کر چکا ہے کچھ دیر گہری نظروں سے اسے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے۔

''کراچی جانے کے بجائے میرے ساتھ چلو۔'' اس نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا تو مسکرا کر بولے۔

''وہیں اطمینان سے بات کریں گے۔''

''یہاں اطمینان سے بات نہیں ہو سکتی کیا؟'' وہ بھی مسکرایا تو وہ اس کا کندھا تھپک کر بولے۔

''جاؤ، اپنے ایک دو سوٹ لا کر اسی سوٹ کیس میں رکھ دو پھر نکلتے ہیں۔''

''لیکن!''

''لیکن ویکن چھوڑو، جلدی کرو، چھ بجے کی فلائیٹ ہے۔ ابھی نکلیں گے تو پانچ ساڑھے پانچ تک کراچی پہنچیں گے۔'' وہ اسے ٹوک کر بہت عجلت میں بولے، تو وہ کچھ سوچتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا، اپنے کمرے میں آ کر دو سوٹ نکالے اور جیراں کو پکار کر اس کے ہاتھ بھابی جان کو بھجوا دیے پھر فوراً واش روم کا رخ کیا۔ کچھ دیر بعد نیچے آیا تو شاہ جہانگیر، بی بی جان کے پاس کھڑے غالباً انہیں یہی بتا رہے تھے کہ وہ بھی ان کے ساتھ جا رہا ہے۔ قریب آ کر اس نے سلام کیا تو بی بی جان نے صرف جواب دینے پر اکتفا کیا پھر فوراً شاہ جہانگیر کی طرف متوجہ ہو گئیں، تو وہ باہر نکل آیا۔ جہاں ڈرائیور گاڑی لیے منتظر کھڑا تھا۔

✿ ✿ ✿

شاہ پور سے کراچی اور وہاں سے بائی ائیر اسلام آباد تک کے سفر میں اس نے آسیہ سے متعلق کوئی بات نہیں کی، کیونکہ پہلے ہی اسے بے صبری اور جلد بازی کا مظاہرہ کرنے کے بعد خجالت کا سامنا کرنا پڑا تھا اس لیے خاصا محتاط ہو گیا تھا پھر رات میں شاہ جہانگیر نے خود ہی بات چھیڑی۔

''ہاں، اب بتاؤ کیا سوچا ہے تم نے؟'' اور وہ مایوسی سے سر ہلا کر کہنے لگا۔

''مجھے ایسا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آیا جو مجھے بیک وقت دونوں مقام پر سرخرو کر سکے۔ بابا جان کی قیمت پر نہیں مانیں گے اور میں آسیہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بے شک بابا جان مجھ پر اپنے گھر کے دروازے بند کر دیں میں۔''

''ایک منٹ!'' شاہ جہانگیر ٹوک کر بولے۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہارے پیش نظر صرف اپنی ذات نہیں ہونی چاہیے۔ کیا تمہیں شہر بانو سے ذرا محبت نہیں یا اپنی محبت میں اتنے خود غرض ہو گئے ہو!''

''شہر بانو کے لیے کمی نہیں ہے۔ جہانگیر بھائی۔'' وہ چڑ گیا کہ آخر یہ کیوں سمجھ لیا جاتا ہے کہ اسے شہر بانو سے محبت نہیں یا اس کا خیال نہیں اور اس کے برعکس شاہ جہانگیر کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔

''کمی تو مہر النساء کو بھی نہیں ہے سکندر!''

''پھر؟''

''پھر تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہم شاہ (سید) ہیں۔ اور شاہوں کی بیٹیاں غیر خاندان میں نہیں بیاہی جاتیں۔ اپنے خاندان میں اور کون ہے جس کے ساتھ ہم شہر بانو کا رشتہ جوڑیں۔ اس کے جوڑ کا نہیں تو کوئی بے جوڑ ہی بتاؤ۔ جیسے نور بانو کے ساتھ ہوا۔ کیا کمی تھی اس میں، لولی لنگڑی تھی جو چار بچوں کے باپ سے بیاہی گئی۔'' شاہ جہانگیر نے بہت طریقے سے اس کے احساسات کو جھنجوڑا۔

''قسمت سے شہر بانو کا اچھا جوڑ ملا ہے تو اب تم۔ نہیں سکندر! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ بہن پر زندگی کے راستے تنگ کر کے تم اپنی زندگی جینا چاہتے ہو۔'' اس نے بے حد خاموش اور کچھ شاکی نظروں سے دیکھا تو شاہ جہانگیر سمجھاتے ہوئے کہنے لگے۔

''دیکھو، میں تمہیں آسیہ کو چھوڑنے کو نہیں کہہ رہا۔ تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو ناں، اس پر بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' اس کی آنکھوں میں غیر یقینی کے سائے جھلملانے لگے تو۔ شاہ جہانگیر مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

''میرا یقین کرو، آسیہ سے شادی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اصل مسئلہ تو اپنے گھر کا ہے۔ تمہارے جانے سے صرف شہر بانو کی زندگی متاثر نہیں ہوگی، اس کے ساتھ مہر النساء، شاہ ہارون پھر بابا جان اور بی بی جان کتنے لوگوں کو ناراض کرو گے، اس لیے میں نے تم سے کہا تھا کہ کوئی اور راستہ سوچو اور تمہاری سمجھ میں تو نہیں آیا میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' شاہ جہانگیر سگریٹ سلگانے کے لیے رکے تو یہ چند لمحے اس پر بے حد گراں گزرے تھے۔

✿ ✿ ✿

آسیہ کے پاس ظاہر ہے اب کوئی بہانہ نہیں تھا اس لیے اسے میمونہ بھابی اور بچوں کے ساتھ اسلام آباد آنا پڑا۔ سیما بھابی ان کی آمد پر واقعی بہت خوش ہو گئیں۔ ابھی تک ان کا یہاں دل نہیں لگا تھا۔ جب نند بھاوجیں فراغت سے بیٹھیں تو سیما بھابی اس سے کہنے لگیں۔

''آسیہ! اب تم یہاں سے جانے کی بات نہیں کرنا۔ میں نے شکیل سے کہہ دیا ہے کہ یہیں کسی ہاسپٹل میں تمہیں جاب دلا دیں۔''

''کیا؟'' وہ اچھل پڑی۔ ''ابا جی سے بھی پوچھا ہے آپ نے؟''

''وہ منع تھوڑی کریں گے۔ یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے کیوں میمونہ؟'' سیما بھابی نے آخر میں میمونہ بھابی

سے تائید چاہی تو وہ اسے دیکھ کر معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

''اپنا گھر تو اس کا یہ ہے نہ وہ۔ وہ تو کوئی اور ہی گھر ہوگا جسے یہ اپنا کہے گی!''

''وہ تو جب ہوگا تب۔ ابھی تو یہی اس کے گھر ہیں۔'' سیما بھابی نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

''بالکل یہی میرے گھر ہیں۔ میں اماں جی کے پاس رہوں یا آپ کے پاس کوئی فرق نہیں پڑتا وہاں بھی سب محبت کرنے والے ہیں، یہاں بھی، کبھی کبھی تو مجھے خود پر رشک آتا ہے۔ زندگی میں کبھی مجھے بہن کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ اللہ نے آپ دونوں کی صورت وہ بھی پوری کردی۔''

''تیسری بھاوج کا نام نہیں لیا تم نے'' سیما بھابی نے شوخی سے کہا تو اُس نے چونک کر دیکھا پھر سنبھل کر بولی۔

''اصل میں جب بڑے بھیا کی شادی ہوئی، اس وقت میں کافی چھوٹی تھی اس لیے نبیلہ بھابی کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوسکی پھر ان کا مزاج بھی کچھ الگ ہے۔''

''ابھی بھی الگ گھر کا مطالبہ کرتی ہیں؟'' سیما بھابی نے پوچھا تو اس سے پہلے میمونہ بھابی بول پڑیں۔

''اب مطالبہ نہیں کرتیں۔ دھمکی دیتی ہیں کہ چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔''

''بڑے بھیا غلطی کر رہے ہیں۔'' اس سے پہلے کہ دونوں بھاوجیں تیسری کے خلاف بولتیں اس نے سارا الزام بڑے بھیا کے سر رکھ دیا۔

''نبیلہ بھابی کا مطالبہ ناجائز نہیں ہے۔ بڑے بھیا کی ضد ناجائز ہے۔ جب وہ افورڈ کر سکتے ہیں تو پھر کیوں نہیں انہیں الگ گھر میں رکھتے۔ جبکہ اماں جی اور ابا جی بھی اجازت دے رہے ہیں۔''

''لو، تم بھاوج کے مقابلے میں بھائی کو غلط کہہ رہی ہو۔'' میمونہ بھابی تعجب سے بولیں۔

''میں حق بات کر رہی ہوں، خیر چھوڑیں یہ ان کا معاملہ ہے، وہی جانیں۔'' اس نے اس موضوع کو ختم کردینا ہی مناسب سمجھا پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ ''بچوں کی آواز نہیں آرہی، لگتا ہے سو گئے؟''

''ہاں اور اب ہمیں بھی سونا چاہیے، ورنہ صبح آنکھ نہیں کھلے گی۔'' سیما بھابی وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئیں تو اس نے ان کی تقلید کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں کہاں سوؤں گی؟''

''ادھر سمیہ اور اشعر کے کمرے میں چلی جاؤ۔ ان دونوں کو ایک بیڈ پر کردو اور نبیل تمہارے ساتھ سو جائے گا۔''

''ہاں، وہ اکثر میرے پاس سوتا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے سمیہ کے کمرے میں آئی تو ایک بیڈ پر نبیل اور اشعر سو رہے تھے، دوسرے پر سمیہ اکیلی تھی وہ اسی کے پاس لیٹ گئی۔ اس وقت اسے باتوں میں پتا نہیں چلا تھا اب لیٹتے ہی لمبے سفر کی تکان محسوس ہو رہی تھی۔ بدن میں ہلکے ہلکے درد کے باعث نیند بھی نہیں آرہی تھی۔ کچھ دیر بے چینی سے کروٹیں بدلنے کے بعد اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ کر پلکیں موند لیں تو دھیان اپنے گھر کی طرف منتقل ہوگیا جہاں ان کے چلے آنے کے بعد خاموشی چھا گئی ہوگی۔ اور پھر اس خاموشی میں اسے سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ جن کی وہ شدت سے منتظر تھی۔ جیسا کہ آخری ملاقات میں شاہ سکندر نے کہا تھا کہ ہوسکتا ہے اس بار میں آؤں تو میرے ساتھ بی بی جان اور باباجان بھی ہوں اور اس کی بات یاد آنے پر وہ اسی نہج پر سوچنے لگی، کہ شاید

وہ اپنے گھر والوں کو ہموار کرنے میں لگا ہوگا۔ جبھی نہیں آیا اور پتا نہیں اس کے گھر والے مانیں گے بھی یا نہیں۔ پھر یہ دو صورتوں میں وہ اماں جی اور اباجی کا ردِ عمل سوچنے لگی، گو کہ اباجی اور عدیل بھائی اس کی بہت تعریف کرتے تھے، وہ آتا تو اس کی بہت عزت کرتے اور اس کے جانے کے بعد کتنی دیر تک اس کی باتیں کرتے تھے، پھر بھی اسے خدشہ ہوا کہ اگر شاہ سکندر اپنے گھر والوں کو لانے میں ناکام رہا تو شاید اباجی کبھی نہیں مانیں گے، لیکن اگر اباجی اور عدیل بھائی کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ میں اسے پسند کرتی ہوں تو!'' اس مقام سے آگے نیند نے اسے سوچنے کی مہلت نہیں دی تھی۔

صبح وہ بہت دیر سے اٹھی۔ اُس وقت تک سب ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ سیما بھابی کے منع کرنے کے باوجود اس نے اپنے لیے خود ہی ناشتا بنایا۔ دو سلائس گرم کیے، ایک انڈا فرائی اور چائے لے کر دونوں بھاوجوں کے پاس لاؤنج میں آ بیٹھی۔ وہ دونوں جانے کس موضوع پر بات کر رہی تھیں اس نے ناشتا کرنے تک ان کی طرف دھیان نہیں دیا نہ ہی ان دونوں نے اسے مخاطب کیا جب وہ خالی برتن کچن میں رکھ کر آئی تب سیما بھابی اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

''گو کہ تم یہاں مہمان نہیں ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آتے ہی کام میں لگ جاؤ۔''

''اور میں یہاں پلنگ توڑنے بھی نہیں آئی خیر چھوڑیں۔ یہ بتائیں بچے کہاں ہیں؟''

''ادھر برآمدے میں کھیل رہے ہیں؟''

''اتنی خاموشی سے کیسے کھیل رہے ہیں؟'' وہ تعجب سے کہتی وہیں سے پلٹ کر برآمدے میں آئی تو دیکھا سب بچے دائرے کی شکل میں بیٹھے بڑے انہماک سے سمیہ کی سنہرے بالوں والی گڑیا کو دیکھ رہے تھے اور سمیہ اس کے بارے میں بتا کر اپنے طور پر انہیں حیران کر رہی تھی۔

''دیکھو، یہ روتی بھی ہے۔'' سمیہ نے گڑیا کے منہ سے چوسنی نکالی تو گڑیا رونے لگی جس پر بچوں کے معصوم چہرے حیرت و خوشی سے چمکنے لگے۔

''اب اسے چپ کراؤ۔'' سونیا نے کہا تو سمیہ نے گڑیا کے منہ میں دوبارہ چوسنی لگا دی۔ گڑیا چپ ہو گئی تو نبیل پوچھنے لگا۔

''یہ ہنستی بھی ہے؟''

''نہیں''

''کیوں؟''

''پتا نہیں۔ بس روتی ہے۔'' سمیہ نے لاعلمی کا اظہار افسوس کے ساتھ کیا۔

''تمہاری طرح اور سونیا کی طرح۔'' نبیل نے کہا تو سونیا تڑخ کر بولی۔

''میں کب روتی ہوں؟''

''جب میں تمہارے بال نوچتا ہوں۔'' احمر نے کہتے ہوئے سونیا کے بال پکڑ کر کھینچ لیے جس سے وہ واقعی رونے لگی تو وہ جو خاموشی سے اپنی موجودگی کا احساس دلائے بغیر ان کی باتیں سن رہی تھی فوراً آگے بڑھ آئی اور سونیا کو گود میں اٹھا کر اس کی جگہ پر بیٹھتے ہوئے احمر کو ڈانٹنے لگی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے، تم نے اس کے بال کیوں نوچے؟''

''زور سے تھوڑی نوچے ہیں، پوچھ لیں اس سے۔''

''اس سے کیا پوچھوں، میں خود دیکھ رہی تھی۔ بہت بری بات ہے آئندہ خبردار اسے ہاتھ نہیں لگانا۔''
اس نے سونیا کو چپ کرانے کے ساتھ احمر کو تنبیہ کی، تو وہ تیز ہو کر بولا۔
''یہ جھوٹ کیوں بولتی ہے؟''
''کیا جھوٹ بولا ہے اس نے؟'' احمر کے تیز بولنے پر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔
''کہتی ہے میں کب روتی ہوں اور اب رو رہی ہے۔'' احمر نے سونیا کا جھوٹ بتایا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔
''بیوقوف ہو تم۔'' پھر سب کو اٹھا کر اندر لے آئی۔ دونوں بھاوجیں سبزی، گوشت پر بات کر رہی تھیں یعنی کھانے میں کیا پکنا چاہیے اور یہ بڑا ٹیڑھا مسئلہ تھا جبھی وہ ان سے کترا کر اِدھر اُدھر سے اخبار اکٹھا کرنے میں لگ گئی۔

✿ ✿ ✿

دوپہر میں کھانے کے بعد سیما بھابی نے سب بچوں کو سلا دیا۔ میمونہ بھابی بھی عمر کو بغل میں دبائے آرام سے لیٹی تھیں اور اس نے پورا گھر چھان مارا، کوئی ایک کتاب نہیں ملی، جسے پڑھنے میں وہ وقت گزارتی، سخت بور ہو رہی تھی۔ اس وقت ٹی وی بھی بس شام میں چلتا تھا یعنی صبح کی نشریات کا آغاز نہیں ہوا تھا نہ ہی وی سی آر عام تھا۔ بلکہ سخت پابندی تھی۔ اس لیے مطالعے کی طرف رجحان زیادہ تھا۔ متوسط گھرانوں کی لڑکیاں ایسے فراغت کے دنوں میں ناولز پڑھتیں۔ ان دنوں رضیہ بٹ اور سلمیٰ کنول کے ناولوں کا بڑا چرچا تھا۔ اس نے سیما بھابی سے پوچھا تو وہ مسکین سی شکل بنا کر بولیں۔
''کہاں اب بچوں میں کہاں فرصت ملتی ہے پڑھنے کی۔''
''مجھے نہیں پتا، آپ اسی وقت مجھے کہیں سے منگوا کر دیں۔'' وہ بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے بولی۔ ''میں بہت بور ہو رہی ہوں اور اگر یہی عالم رہا تو دو دن میں واپس چلی جاؤں گی۔''
''ارے ارے۔ یعنی بلیک میلنگ'' سیما بھابی ہنسیں پھر مغا کچھ یاد آنے پر کہنے لگیں ''اچھا ٹھہرو ابھی چلتے ہیں، مجھے درزی سے اپنے کپڑے لینے ہیں، تم کچھ میگزین وغیرہ لے لینا۔''
''چلیں۔'' وہ فوراً تیار ہو گئی پھر اپنے حلیے پر نظر ڈال کر پوچھا۔ ''دور تو نہیں جانا!''
''نہیں پیدل کا راستہ ہے جاؤ میمونہ سے کہو سوئے نہیں، ہم ابھی آتے ہیں۔'' سیما بھابی کہتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں تو اس نے میمونہ بھابی کے پاس جا کر بس کھڑے کھڑے انہیں بتایا پھر اپنا پرس اٹھا کر واپس آئی تو سیما بھابی اپنے پرس میں جانے کیا تلاش کرتی ہوئی آ رہی تھیں ساتھ ساتھ کچھ بول رہی تھیں۔
''کیا ہوا؟'' ان کے قریب آنے پر اس نے پوچھ لیا۔
''میرے کپڑوں کی رسید اسی میں رکھی تھی مل گئی۔'' انہوں نے رسید ہاتھ میں لے کر پرس بند کیا پھر اسے دیکھ کر بولیں۔ ''چلو!''
گھر کے قریب ہی مارکیٹ تھی گو کہ زیادہ بڑی نہیں تھی پھر بھی ضرورت کی ہر شے موجود تھی اور کیونکہ باقاعدہ شاپنگ کا پروگرام نہیں تھا اس لیے جو پہلی کتابوں کی دکان نظر آئی وہ اسی میں داخل ہونے لگی کہ سیما بھابی روک کر بولیں۔
''سنو، وہ اس رو میں جو چوتھی دوکان ہے۔ میں وہاں ہوں۔ تم اطمینان سے رسالے وسالے دیکھ لو۔

اور ہاں پیسے چاہئیں؟"

"نہیں، ہیں میرے پاس!" سیما بھابی آگے بڑھ گئیں تو اس نے رک کر انہیں درزی کی دکان میں داخل ہوتے دیکھا پھر قدم آگے بڑھائے، اور شیشے کے ریک کے پاس رُک کر اُس میں ترتیب سے رکھی کتابیں دیکھنے لگی۔ حالانکہ چند نام سوچ کر آئی تھی۔ لیکن اب انتخاب کرنا مشکل ہو رہا تھا پھر جب اس نے دیکھا سیلز مین کی نظریں اسی پر جمی ہیں تب جلدی سے ایک دو کتابوں کے نام بتا کر دوسری طرف مُڑ گئی اور ابھی فیض کا مجموعہ تلاش کر رہی تھی کہ مانوس آواز سماعتوں سے یوں ٹکرائی کہ وہ بے اختیار پلٹ کر دیکھنے لگی، شاہ سکندر، کاؤنٹر پر کھڑے شخص سے مخاطب تھا۔

"ایکسیوزمی، فون کر سکتا ہوں؟" اور وہ جس طرح بے اختیار پلٹی تھی اسی بے اختیاری سے اس کے قریب آ کر بولی۔

"ہیلو۔" شاہ سکندر نے چونک کر دیکھا پھر خوشگوار حیرت میں گھر کر بولا۔

"آ۔ س۔ تم۔ تم یہاں کیسے؟"

"کچھ کتابیں لینی تھیں۔" اس نے قصداً اُس کے سوال کو دوسرے معنی پہنا کر جواب دیا۔

"نہیں میرا مطلب ہے یہاں اسلام آباد میں۔" اس نے وضاحت کی تو ایک نظر گلاس ڈور سے باہر ڈال کر بولی۔

"بھائی کے پاس آئی ہوں۔"

"کون عدیل صاحب؟"

"نہیں، وہ تو وہیں کراچی میں ہوتے ہیں۔ ان سے بڑے شکیل بھائی، ابھی کچھ عرصہ قبل یہاں سیٹل ہوئے ہیں اور آپ؟" آخر میں اس نے کی یہاں موجودگی کا سبب پوچھا تو وہ ذرا سے کندھے اُچکا کر بولا۔

"میں اپنے بھائی کے ساتھ آیا ہوں۔ شاید میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میرے بھتیجے بھتیجیاں مری کانوینٹ میں پڑھتے ہیں۔ اب چھٹیاں ہوئی ہیں تو ہم انہیں لینے آئے ہیں۔"

"لیکن آپ تو یہاں موجود ہیں۔" اس نے کہا تو وہ اسے نظروں کی گرفت میں لیتا ہوا بولا۔

"تمہارے لیے!"

"اچھا!" وہ ذرا سا ہنسی۔ "آپ کو کیسے معلوم کہ میں یہاں ہوں؟"

"معلوم تو نہیں تھا لیکن محسوس ہو رہا تھا کہ تم یہیں آس پاس کہیں موجود ہو۔" وہ اطراف سے بیگانہ ہو رہا تھا تب اس نے ذرا سا کھانس کر احساس دلایا پھر کہنے لگی۔

"آپ شاید فون کرنا چاہتے تھے۔"

"اب نہیں کرنا، البتہ تم اپنی کتابیں لے لو۔" اس نے کہا تو وہ پلٹ کر سیلز مین کو دیکھنے لگی۔ وہ منتظر کھڑا تھا۔ فوراً کتابوں کا پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا جسے لے کر وہ پرس میں سے پیسے نکالنے لگی۔ لیکن اس سے پہلے ہی شاہ سکندر نے پے منٹ کر دی۔ وہ بس دیکھتی رہ گئی پھر اس کے ساتھ دکان سے نکلتے ہوئے خود اسے یاد نہیں رہا کہ اس کے ساتھ سیما بھابی بھی ہیں اور اسے ایک اجنبی کے ساتھ دیکھ کر جانے وہ کیا سمجھیں۔

"چلو کسی اچھی پرسکون جگہ بیٹھتے ہیں۔" شاہ سکندر نے کہا تب اچانک اسے سیما بھابی کا خیال آیا اور

اسی وقت وہ آ گئیں اپنی دھن میں تھیں۔ شاہ سکندر کو اگر دیکھا بھی تو یہ خیال نہیں آیا کہ وہ اس کے ساتھ کھڑا ہے۔ اپنے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگیں۔

''مل گئے تمہیں ناولز؟'' اور وہ سیما بھابی کو دیکھتے ہی شش و پنج میں گرفتار ہو گئی تھی کہ آیا ان کا تعارف کرائے یا خاموشی سے چل پڑے۔ جبھی ان کی بات کا جواب نہیں دے سکی اور اس سے پہلے کہ وہ ٹوکتیں شاہ سکندر نے ان کی توجہ کھینچ لی۔

''آداب!'' سیما بھابی نے چونک کر شاہ سکندر کو دیکھا پھر ہلکے سے اس کا کندھا دبایا تو وہ سنبھل کر بولی۔

''بھابی! یہ شاہ سکندر حیات ہیں۔ عدیل بھائی کے دوست، وہاں گھر میں ان کا آنا جانا رہتا ہے۔''

''اچھا یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' سیما بھابی نے براہ راست شاہ سکندر سے پوچھا۔

''یہاں میں ایک کام کے سلسلے میں آیا ہوں میرا قیام ہوٹل میں ہے۔ اگر آپ آنا چاہیں تو!''

''شکریہ!'' سیما بھابی درمیان میں ٹوک کر پھر اس سے بولیں۔

''چلو آسیہ! یا ابھی کچھ اور لینا ہے؟''

''نہیں اور تو کچھ نہیں لینا۔'' اس نے یوں کہا جیسے اسے کچھ نہ لینے کا افسوس ہو رہا ہو۔

''چلو پھر۔ او کے سکندر صاحب!'' سیما بھابی نے ایک طرح اسے خدا حافظ کہہ دیا جبکہ وہ اندر ہی اندر خاصی جز بز ہو رہی تھی ست روی سے اس کے قریب سے گزرنے لگی تو وہ دھیرے سے بولا۔

''کل اسی جگہ۔'' وہ اس کی طرف دیکھ نہیں سکی۔ لیکن نفی میں سر ہلا کر معذوری کا اظہار کرتے ہوئے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ اور جب تک موڑ نہیں آیا، وہ اس کی نظروں کی گرفت سے نکل نہیں سکی اس دوران سیما بھابی جانے کیا بول رہی تھیں اس نے سنا ہی نہیں۔

''کہاں کھوئی ہو؟ میری بات کا جواب تو دو۔'' سیما بھابی نے اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر کہا تب وہ اپنے دھیان سے نکل کر سٹپٹا گئی۔

''کیا۔ کیا پوچھ رہی ہیں آپ؟''

''میں ان صاحب کے بارے میں پوچھ رہی ہوں میں تو جب کراچی میں تھی اسے کبھی گھر آتے جاتے نہیں دیکھا۔''

''تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' وہ اپنا بازو سہلاتی ہوئی بولی۔

''اچھا غلط بیانی کر کے کہتی ہو، میرا کیا قصور ہے؟''

''میں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی میمونہ بھابی سے پوچھ لیجیے گا۔'' وہ ان کی گھورتی نظروں کے جواب میں ہنستی ہوئی بولی اور سامنے گھر دیکھ کر بھاگ کر گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔

اچانک پہلی محبت کا نشہ سارے احساسات پر چھا گیا تھا۔ وہ کچھ نہ کہتی تب بھی اس کا انگ انگ بول رہا تھا اور اس مقام پر اس کا دل چاہا کوئی ہو جسے وہ اپنی زندگی کے اس خوبصورت راز میں شریک کر سکے اور یہ دونوں بھاوجیں ہی اس سے بہت محبت کرنے والی اس کی بہترین دوست تھیں۔

✿ ✿ ✿

شاہ جہانگیر بچوں کو مری سے لے کر آئے تو جیسا کہ اس کے ساتھ طے کر کے گئے تھے، سیدھا ائیر پورٹ پہنچ گئے جہاں وہ ٹکٹیں لیے ان کا منتظر تھا سب بچوں کو باری باری پیار کرنے کے بعد وہ ٹکٹیں شاہ جہانگیر کو تھماتا ہوا بولا۔

"فلائیٹ جانے میں بس آدھا گھنٹہ ہے۔ آپ لاؤنج میں چلے جائیں۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟" شاہ جہانگیر نے اس کے ہاتھ سے ٹکٹ لیتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

"کہیں نہیں، میرا مطلب ہے میں ابھی آپ کے ساتھ نہیں جا رہا۔" اس نے کہا تو شاہ جہانگیر ٹھٹک کر بولے۔

"کیوں؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے بھائی، بس میں کچھ دن تنہا رہنا چاہتا ہوں۔" شاہ جہانگیر نے بغور اسے دیکھا پھر کہنے لگے۔

"دیکھو، جتنا سوچو گے، الجھتے جاؤ گے!"

"بے فکر رہیں میں خواہ کتنا سوچوں، کتنا الجھوں، آپ کو مایوس نہیں کروں گا بلکہ آپ پر بھروسا کر کے میں ایک طرح سے آپ کی بات مان چکا ہوں اب آپ مجھ پر بھروسا کریں۔"

"اچھی بات ہے۔" شاہ جہانگیر نے اس کا کندھا تھپکا پھر پوچھنے لگے۔ "کتنے دن رہو گے یہاں؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ دو دن، چار دن یا!"

"بس، چار دن سے زیادہ نہیں۔ ٹھیک پانچویں دن تمہیں اپنے گھر ہونا چاہیے۔" شاہ جہانگیر نے ٹوک کر کہا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر جب شاہ جہانگیر بچوں کو لے کر لاؤنج میں چلے گئے تب خاصا مطمئن سا ہو کر وہ ہوٹل چلا آیا۔

اس کا خیال تھا ان چار دنوں میں وہ آسیہ سے مل کر اس کے بھائی تک بھی رسائی حاصل کرے گا۔ اس کا مقصد سب پر چھا جانا تھا گو کہ اس کے لیے اسے کسی تردد کی ضرورت نہیں تھی اس کی شخصیت تھی ہی اتنی متاثر کن، پہلی ملاقات میں ہی مقابل پر گہرا اثر ڈالتی تھی۔ جیسے ابا جی اور عدیل بھائی اس کے گرویدہ تھے۔ اسی طرح وہ چاہتا تھا یہاں جو آسیہ کے بھائی، بھاوج ہیں ان پر بھی وہ اپنا اثر چھوڑ جائے تاکہ بعد میں جب وہ آسیہ سے شادی کی بات کرے تو اس طرف سے سب اس پر اعتماد کریں۔ ورنہ اگر کسی ایک نے بھی بی بی جان اور بابا جان کے شرکت نہ کرنے پر اعتراض کیا یا یہ شرط رکھ دی کہ اس کے والدین ہی آ کر بات کریں تو اس کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔

اور وہ اپنے گھر میں تو مشکل میں اور پریشان تھا ہی اس طرف سے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اور آسیہ سے یہاں ملاقات کو وہ جو ایک خوبصورت اتفاق سمجھ رہا تھا تو اب اس اتفاق کو بھی اپنے مفاد میں سوچنے لگا تھا لیکن اپنی سوچوں کے برعکس اسے شدید کوفت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا یعنی اگلے تین دن وہ گھنٹوں کے حساب سے اسی بک شاپ کے اس پاس موجود رہا اور وہ نہیں آئی گو کہ اس نے آنے وعدہ تو نہیں کیا تھا پھر بھی نہیں بھری تھی پھر بھی اسے یقین تھا اور اس کا یقین ابھی ٹوٹا نہیں تھا نہ ہی وہ مایوس ہوا اور اس آخری دن پھر اسی جگہ جا پہنچا۔

عجیب سی بے قراری تھی اور اسی بے قراری میں وہ قرار ڈھونڈ رہا تھا تبھی اس پر نظر پڑی۔ نبیل کا ہاتھ تھامے اسی طرف آ رہی تھی۔ وہ مزید صبر نہیں کر سکا تیز قدموں سے لمحوں میں درمیان کا فاصلہ سمیٹ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو گزشتہ تین دنوں کی ساری کوفت بھلا کر بولا۔

''مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔'' اور وہ جو اس کے اچانک سامنے آنے پر حیران تھی نبیل کی موجودگی میں اس کے والہانہ انداز پر پریشان ہو گئی اور کچھ گھبرا کر نبیل کو دیکھا تو وہ کہنے لگا۔

''پھوپھو! یہ وہ والے انکل ہیں ناں جو اباجی کے پاس آتے ہیں!''

''ہاں بیٹا! آپ نے انہیں سلام نہیں کیا۔'' آسیہ نے اسے محتاط رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے نبیل سے کہا۔

''السلام علیکم!'' نبیل نے فوراً سلام کیا۔

''وسلام، کیسے ہو بیٹا!'' سرسری سا انداز تھا۔ پھر اسے دیکھ کر بولا۔ ''چلو کہیں بیٹھ کر بات کریں گے!''

''نہیں سکندر۔ میں!''

''پلیز!'' وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگا۔ ''میں بس آج کا دن یہاں ہوں، کل صبح کی فلائٹ سے واپس جا رہا ہوں۔ اور یہ اتنے دن میں صرف تمہارے لیے یہاں رکا۔ روزانہ یہاں آ کر تمہاری راہ دیکھتا رہا ہوں اور تم۔''

''میں کیا کروں؟'' وہ اس کے خفا ہونے پر بے بسی سے بولی۔

''میرے ساتھ چلو!''

''نہیں شاہ سکندر! میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں، میرا بھتیجا سیڑھیوں سے گر گیا ہے اس کے لیے بینڈیج اور میڈیسن لینی ہے۔'' اس کی مجبوری سن کر وہ گہری سانس کھینچتا ہوا بولا۔

''اس کا مطلب ہے، اب تم سے کراچی میں ملاقات ہو گی۔'' اس نے ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر پوچھنے لگی۔

''آپ خفا تو نہیں ہیں۔'' وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا اور جب اس نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر دیکھا تب اس کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''شکریہ!'' وہ ممنونیت سے کہتی آگے بڑھنے لگی کہ وہ راستہ روک کر پوچھنے لگا۔

''یہاں کتنے دن ہو؟''

''زیادہ سے زیادہ پندرہ دن۔ اگر اس سے پہلے کراچی سے بلاوا آ گیا تو پھر ظاہر ہے پہلے چلی جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے پھر میں اسی حساب سے آؤں گا۔'' اس نے کہا تو وہ بے اختیار پوچھ گئی۔

''اکیلے؟''

''نہیں بارات کے ساتھ۔'' وہ قدرے شوخ ہو کر بولا تو وہ جھینپ کر آگے بڑھ گئی۔ شاہ سکندر نے اسے ایک میڈیکل اسٹور میں داخل ہوتے دیکھا پھر اس کی واپسی کا انتظار کرنے کے بجائے قریب سے گزرتی ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ گیا۔

اگلے روز جب وہ پہلی فلائٹ سے کراچی پہنچا تو ڈرائیور گاڑی لیے موجود تھا۔ وہ سمجھ گیا اسے شاہ جہانگیر نے بھیجا ہو گا اور ان کا خدشہ سوچ کر وہ اپنے آپ مسکرایا تھا پھر ڈرائیور نے اس سے پوچھ کر گاڑی شاہ پور

کے راستے پر پوری اسپیڈ سے دوڑانی شروع کر دی۔

اور تین گھنٹوں کے اس سفر میں وہ پوری یکسوئی سے شاہ جہانگیر کی ایک ایک بات کو سوچتا رہا۔ اور ان کے سامنے تو وہ ان کی کسی ایک بات سے بھی اختلاف نہیں کر سکتا تھا اور اب ہر بات عجیب سی لگ رہی تھی آخر میں اس نے سوچا، وہ سب سے پہلے شاہ جہانگیر سے بات کرے گا۔ ان سے کہے گا کہ وہ ہرگز بھی کٹھ پتلی نہیں بن سکتا بہتر یہی ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اس کے بعد ایک آخری کوشش کے طور پر وہ خود بابا جان سے بات کرے گا اگر وہ آسیہ کے ساتھ اس کی شادی کرنے پر رضامند ہو گئے تو ٹھیک ورنہ!

گاڑی رکنے سے اس کی سوچیں بھی اسی مقام پر ٹھہر گئیں۔ ڈرائیور نے فوراً اتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا تو گاڑی سے اترتے ہی اسے غیر معمولی چہل پہل کا احساس ہوا۔ اپنے طور پر قیاس کرتا ہوا وہ اندر آیا تو اسے دیکھتے ہی بی بی جان کے پاس بیٹھی لڑکیوں میں ہلچل مچ گئی وہ قصداً نظر انداز کرتا ہوا بی بی جان کی طرف بڑھا اور ابھی سلام اس کے ہونٹوں میں تھا کہ بی بی جان خوش ہو کر بولیں۔

"ماشاء اللہ بڑی عمر ہے تمہاری۔ ابھی سب تمہارا پوچھ رہی تھیں تھکے ہوئے لگ رہے ہو، جاؤ جلدی سے غسل لے لو پھر میں کھانا تمہارے کمرے میں بھجواتی ہوں۔" وہ اس پر حیران ہوتا اپنے کمرے میں جانے لگا کہ بی بی جان کی آواز نے اس کے قدم روک لیے وہ لڑکیوں سے کہہ رہی تھیں۔

"اب تو دیکھ لیا دولہا کو۔ جاؤ اب ڈھولک سنبھالو، اور کوئی جیراں سے کہو بڑے شاہ جی کو خبر کرے شاہ سکندر آ گیا ہے۔"

خوشی سے بھرپور بی بی جان کی کھنکتی ہوئی آواز نے اسے چکرا دیا تھا۔

✿ ✿ ✿

فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ بی بی جان اس کے بارے میں کیا کہہ رہی ہیں۔ بے حد متوحش نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

کھلکھلاتی لڑکیاں، ڈھولک اور۔ اور۔ اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ تب ہی عقب سے شاہ جہانگیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور خوش دلی سے بولے۔

"آ گئے یار! گاڑی پہنچ گئی تھی ایئر پورٹ؟"

"جی!" وہ جو خاموش نظروں سے انہیں دیکھنے لگا تھا ان کی بات کے جواب میں جی کہہ کر فوراً ادھر ادھر اشارہ کر کے پوچھنے لگا۔

"یہ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے بھائی؟"

"شادی۔" شاہ جہانگیر مختصر جواب دے کر غالباً اس کے اگلے سوال سے بچنے کی خاطر سامنے سے گزرتی جیراں کو پکار کر اس سے جانے کیا بات کرنے لگے لیکن وہ صبر نہیں کر سکا۔ ان کا بازو کھینچ کر پوچھنے لگا۔

"کس کی شادی؟" شاہ جہانگیر نے پہلے جیراں کو جانے کا اشارہ کیا پھر اسے دیکھ کر بولے۔

"شہر بانو کی، چلو اس سے مل لو۔ پھر شام تک تو گھر کے مردوں سے بھی اس کا پردہ ہو جائے گا۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں یار! یہ رسمیں وسمیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

شاہ جہانگیر خود کو خاصا انجان ظاہر کرتے ہوئے اس کے بازو میں بازو ڈال کر سیڑھیاں چڑھنے لگے

پھر شہر بانو کے کمرے کے سامنے رُک کر پہلے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا تو اس نے دستک کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن پھر اچانک کسی خیال کے تحت رُک کر بولا۔

"آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔ ابھی بی بی جان تو لڑکیوں سے کچھ اور کہہ رہی تھیں۔"

"بی جان جو کہہ رہی تھیں، وہ بھی ٹھیک ہے۔" شاہ جہانگیر ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔ "شادی صرف شہر بانو کی نہیں تمہاری بھی ہو رہی ہے، اور تم اس وقت کوئی اعتراض نہیں اُٹھاؤ گے کیونکہ تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو۔"

"وعدہ میں نے خاموش رہنے کا کیا تھا شادی کا نہیں۔" اس نے تلملا کر احتجاج کیا اور شاہ جہانگیر بڑے آرام سے بولے۔

"تو خاموش رہو۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

ضبط کرتے کرتے بھی وہ چیخ پڑا تو شاہ جہانگیر نے انگوٹھے سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے اندر بہن کی موجودگی کا احساس دلایا پھر ایک دم اُس کا ہاتھ پکڑ کر دروازہ دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے سامنے بیڈ پر شہر بانو گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے پیشانی گھٹنوں پر ٹکائے بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر بھی اس نے سر اونچا نہیں کیا۔ جس سے ظاہر تھا کہ وہ ان کی باتیں نہیں تو آواز سن چکی ہے۔

"شہر بانو!" شاہ جہانگیر نے پکارا تب اس نے ذرا سا سر اونچا کیا لیکن ان دونوں کی طرف دیکھا نہیں اور اس وقت شاہ سکندر کو اس کا نہ دیکھنا ہی غنیمت لگا۔ فوراً پلٹ کر جانے لگا کہ شاہ جہانگیر نے اس کا بازو تھام لیا اور بہن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"جب تک شہر بانو اس گھر سے رخصت نہیں ہو جاتی تمہیں خاموش رہنا ہے۔ یہی وعدہ لیا تھا ناں میں نے تم سے۔" اس نے بے حد خاموش نظروں سے انہیں دیکھا تو کہنے لگے۔

"اب یہ تمہاری قسمت کہ اس کی رخصتی سے پہلے اس گھر میں مہر النساء کی ڈولی اترتا طے پائی ہے۔" اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔

"مجھے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا۔ تمہیں کچھ کہنا ہو تو شہر بانو سے کہو۔ یہ سن سکتی ہے البتہ بولنے کا حق اسے نہیں دیا گیا۔"

شاہ جہانگیر اسے سناٹے میں چھوڑ کر کمرے سے نکل گئے تو کتنی دیر بعد اس نے دھیرے دھیرے گردن موڑ کر شہر بانو کو دیکھا۔ اس نے دوبارہ پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی تھی۔ اس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ پھر بھی اس کا رونا محسوس کر کے وہ اس کے پاس چلا آیا اور آہستہ سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"روؤ نہیں شہر بانو! میں جہانگیر بھائی سے کیا وعدہ نہیں توڑوں گا۔" پھر فوراً اس کے کمرے سے نکل آیا۔

پھر شام اترتے ہی حویلی کی رونق اور چہل پہل میں اضافہ ہو گیا تھا اور وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا بظاہر لان میں جگمگاتے رنگین قمقموں کو دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا یعنی اسے اپنے محاذ پر لڑنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ کتنا بھروسا تھا اسے اپنے آپ پر کہ اگر یہاں اپنی بات منوانے میں ناکام ہو گیا تو سب چھوڑ کر چلا جائے گا اور اس کے لیے وہ نہ صرف خود تیار تھا بلکہ آسیہ کو بھی آگاہ کر آیا تھا۔ آسیہ کا خیال آتے ہی وہ یوں مضطرب ہوا کہ اس کی نظریں یہاں وہاں اسے تلاش

کرنے لگی تھیں تبھی زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور اس کے کزنز شور مچاتے ہوئے اندر آ گئے۔

"یار! تم بھی لڑکیوں کی طرح مایوں بیٹھے ہو۔ چلو باہر نکلو۔"

ابرار نے آتے ہی اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

"لگتا ہے، اسے ڈنڈا ڈولی کر کے لے جانا پڑے گا۔"

"بڑی بے عزتی ہو گی سکندر! نیچے ساری لڑکیاں موجود ہیں۔ شرافت سے چلے چلو۔"

ناصر نے اس پر صورتِ حال واضح کرتے ہوئے چلنے کو کہا۔ وہ تب بھی اسی طرح کھڑا رہا۔ خاموش کیونکہ خاموش رہنے کا وعدہ کر چکا تھا۔

پھر سب کے اصرار پر اسی خاموشی سے نیچے اتر کر آیا تو اچانک ڈھولک کی تھاپ تیز ہو گئی لیکن اس کے اندر کے سناٹے میں کوئی ہلچل نہیں مچی تھی۔

✿ ✿ ✿

اگر تم مل جاؤ زمانہ چھوڑ دیں گے ہم
تمہارے واسطے یہ ساری دنیا چھوڑ دیں گے ہم
اگر تم مل جاؤ
نہ ہو جس میں تم شامل وہ بہاریں ہم نہیں لیں گے
نظر جس میں نہ تم آئے وہ شیشہ توڑ دیں گے ہم
اگر تم مل جاؤ

ریڈیو کے قریب بیٹھی دو مغنیہ کے ساتھ ساتھ خود بھی گنگنا رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا جیسے اچانک کسی نے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا ہو۔ آنکھوں میں کوئی حسین خیال یوں جھلملایا کہ گنگناتے لبوں پر شرمیلی مسکان سج گئی تھی۔

بدن کے سائے تمہارے رنگ میں رنگ ڈالیں
جدا کیا کر سکیں گے تم کو مجھ سے یہ جہاں والے
محبت کی قسم قسمت کا رخ موڑ دیں گے ہم
اگر تم مل جاؤ

سیما بھابی نے کہنی مار کر میمونہ بھابی کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں لیکن وہ اتنی محو تھی کہ اسے ہنسی کی آواز سنائی ہی نہیں دی تھی۔ نہ یہ احساس کہ اس کے بعد دوسرا گانا شروع ہو چکا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر اب بھی "اگر تم مل جاؤ" تھا۔

"مل جائے گا لیکن خدارا زمانہ چھوڑنے کی بات نہیں کرو۔"

سیما بھابی سے آخر رہا نہیں گیا۔ اتنی اونچی آواز میں ٹوکا کہ وہ اچھل پڑی۔ پھر دونوں بھاوجوں کی شوخ و معنی خیز ہنسی سے جھینپ کر بولی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ۔"

"ہمارے کہنے کو کیا رہ گیا ہے سب کچھ تو تم نے خود ہی کہہ دیا۔ کیوں بھابی؟"

میمونہ بھابی نے باقاعدہ اسے چھیڑنے کا آغاز کرنے کے ساتھ ہی سیما بھابی سے تائید چاہی تو وہ فوراً

بولیں۔

"اور کیا، ہمارا کام تو اب دعا کرنا ہی رہ گیا ہے۔"

وہ سمجھ گئی، اب یہ دونوں اس کا ناک میں دم کر دیں گی اس لیے فوراً خود پر قابو پا کر مسکین سی شکل بنا کر بولی۔

"صرف دعا۔"

"ارے کیا سمجھتی ہو ہماری دعاؤں کو۔ ابھی ہاتھ اٹھا دوں تو کچے دھاگے سے بندھا چلا آئے گا تمہارا وہ۔ کیا نام ہے اس کا؟" میمونہ بھابی ہمیشہ اس کے نام پر اٹک جاتی تھیں۔

"شاہ سکندر حیات۔" بھابی نے یاد دلایا۔

"ہاں شاہ سکندر۔ بتاؤ اٹھاؤں ہاتھ۔"

"نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہنس پڑی۔

"کیوں؟" سیما بھابی نے تعجب سے پوچھا تو اس سے پہلے میمونہ بھابی بول پڑیں۔

"اسے پتا ہے۔ میری دعاؤں میں اثر نہیں ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان دونوں کے پاس آ بیٹھی اور ایک دم سنجیدہ ہو کر کہنے لگی۔

"دعا کا مرحلہ بعد میں آئے گا بھابی! پہلے آپ اماں جی اور ابا جی سے تو بات کریں۔"

"ارے ان سے تو میں جاتے ہی بات کروں گی۔ مجھے یقین ہے، ادھر سے کوئی اعتراض نہیں اٹھے گا۔ کیونکہ ابا جی اور عدیل بھی اس کی کتنی تعریف کرتے ہیں۔"

میمونہ بھابی نے کہا تو وہ یونہی بے خیالی میں انہیں دیکھے گئی جس پر وہ پوچھنے لگیں۔

"میں غلط کہہ رہی ہوں یا تمہیں کوئی اور خدشہ ہے۔"

"خدشہ!" وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگی۔

"دیکھو آسیہ! جو بھی بات ہے صاف کہو کیونکہ ہمیں تمہاری وکالت کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو بے خبری کی بنا پر ہم سے کوئی غلطی ہو جائے۔"

سیما بھابی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر سر جھکا کر کہنے لگی۔

"مجھے کوئی خدشہ نہیں ہے بھابی! البتہ شاہ سکندر کہہ رہے تھے کہ ان کے والدین شاید ہی راضی ہوں۔ کیونکہ ان کے ہاں شادیاں خاندان ہی میں ہوتی ہیں۔"

"پھر تو اسے تمہاری طرف نہیں بڑھنا چاہیے تھا۔" سیما بھابی بلا ارادہ فوراً کہہ گئیں لیکن پھر اپنی بات کی نفی کرتے ہوئے بولیں۔

"نہیں خیر، یہ تو بے اختیاری جذبہ ہے بندے کو کچھ یاد نہیں رہتا۔ ہاں تم بتاؤ۔ ایسی صورت میں وہ کیا کرے گا؟"

"کہہ رہے تھے ان کے والدین نہیں مانے تو وہ چلے آئیں گے اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ زیادہ عرصے تک ان کے والدین ناراض نہیں رہ سکیں گے۔"

وہ یونہی سر جھکائے رک رک کر بول رہی تھی۔ سیما بھابی معاملے کی تہہ تک پہنچ کر پوچھنے لگیں۔

"وہ اپنے والدین کے مانے تک انتظار کرے گا یا پہلے ہی شادی کرنا چاہتا ہے۔"

وہ کچھ نہیں بولی لیکن جن نظروں سے سیما بھابی کو دیکھا اس سے وہ سمجھ کر بولیں۔

"ہوں۔ پہلے شادی۔ اور تم میرا مطلب ہے۔ تم نے سوچ لیا ہے؟"

"میں تو بس اتنا جانتی ہوں بھابی! کہ میری زندگی میں آنے والا وہ پہلا اور آخری شخص ہے اس سے میری شادی اب ہو یا دس سال بعد یہ سوچنا اور فیصلہ کرنا آپ سب کا کام ہے۔"

اس کے مضبوط لہجے پر دونوں بھاوجیں ایک لمحے کو ٹھٹک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں بات مذاق سے شروع ہو کر سنجیدگی کا روپ دھارتے ہی ماحول کو بوجھل کر گئی تھی۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ اتنی محبت کرنے والی بھابیوں کو اس نے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ تب اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو ٹپک کر اس کے ہاتھوں کی پشت پر گرنے لگے۔

"ارے!" میمونہ بھابی نظر پڑی تو تڑپ کر اُس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر ٹوکا۔ "اس میں رونے کی کیا بات ہے؟"

اس کے آنسو اور روانی سے بہنے لگے۔

"ہشت پگلی! روؤ گی تو ہم دس سال بعد کا فیصلہ سنائیں گے۔"

سیما بھابی نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا ساتھ ہی میمونہ بھابی کو جانے کیا اشارہ کیا کہ وہ اُچھل کر بولیں۔

"دس سال، نہیں بھئی، میں تو جاتے ہی اماں جی کی منتیں شروع کر دوں گی کہ فوراً آسیہ کو رخصت کر دیں۔"

"شاہ سکندر کے ساتھ۔" سیما بھابی نے مزید لقمہ دے کر اُکسایا۔

"ہاں، چاہے اس کے اماں ابا آئیں یا نہ آئیں۔ کیوں آسیہ؟"

آخر میں اسے گدگدایا تو وہ اپنے آپ میں سمٹنے لگی۔

"ایسے نہیں، ہنس کر دکھاؤ۔"

"ساتھ گانا بھی سناؤ اگر تم مل جاؤ لیکن دیکھو زمانہ چھوڑنے کی بات نہیں کرنا۔"

سیما بھابی کی پیار بھری وارننگ پر وہ ہنس پڑی تو بھاوجوں کی چھیڑ چھاڑ سے ماحول پھر سے خوشگوار ہو گیا تھا۔

✿ ✿ ✿

"اماں جی۔ میں نبیلہ کو طلاق دے رہا ہوں۔"

بڑے بھیا کا پرسکون انداز بتا رہا تھا کہ یہ اچانک فیصلہ نہیں ہے بلکہ سارے طوفانوں سے گزرنے کے بعد ہی وہ اماں جی اور ابا جی کے پاس آئے ہیں۔ اور اپنی بات کے ردِعمل پر ٹھٹکے بھی نہیں۔ یعنی اماں جی اور ابا جی سناٹے میں آ گئے تھے اور وہ ہنوز اسی انداز میں گویا ہوئے۔

"میں جانتا ہوں میرا یہ اقدام آپ کو دکھ دے گا۔ اتنا عرصہ اگر میں خاموش رہا تو صرف یہی سوچ کر کہ شاید کبھی وہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے لگے لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ دس سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ میں سمجھوتے پر سمجھوتا کرتا گیا، اس امید پر

ٹھہر ٹھہر کر بولتے بولتے انہوں نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا پھر ہونٹ بھینچ لیے تو ابا جی دکھ سے بولے۔

"اگر تم شروع ہی میں اسے الگ گھر لے دیتے تو تمہیں اتنے سمجھوتے نہ کرنے پڑتے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ تب تو دس دن میں ہی فیصلہ ہو جاتا۔"

ان کے لہجے میں تلخی سمٹ آئی۔

"کیونکہ وہ اپنے ہر فعل میں آزاد ہو جاتی۔ اس نے اپنی سوسائٹی کے لوگوں کو اگر اس گھر کا راستہ نہیں دکھایا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے آپ کا، اماں جی کا یا میرا خیال رہا نہیں۔ ہم سب کی عزتوں کی تو اس کے نزدیک سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔ وہ اپر کلاس کی عورت کسی طرح مڈل کلاس سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔ اس لیے کسی کو اس گھر کا راستہ نہیں دکھایا اور اگر میں اسے الگ گھر لے دیتا تو جو کچھ وہ باہر کرتی پھرتی ہے۔ وہی میرے گھر میں بھی ہوتا۔"

"اسے اتنی ڈھیل بھی تو تم ہی نے دی بیٹا! جہاں مرضی آئی گئی۔ کبھی ٹوکا تم نے۔ ارے تم نے تو یوں اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں جیسے تمہارا اسے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔"

اماں جی بھی انہیں الزام دینے بیٹھ گئیں۔

"اور اب اتنے عرصے بعد تمہاری غیرت جاگی ہے تو ایک دم سے اسے چھوڑنے کی بات کر رہے ہو۔ نہ بیٹا! ایسا ہمارے خاندان میں کبھی نہیں ہوا۔ اسے آرام سے، پیار سے سمجھاؤ۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ ہر طرح سے سمجھا کر دیکھ لیا ہے اماں جی۔ اب تو میری قوت برداشت جواب دے چکی ہے۔"

ان کی بے بسی پر ابا جی کڑھ کر رہ گئے۔

"صبر سے بیٹا۔ صبر سے۔"

"بہت صبر کر لیا۔ مزید کی طاقت نہیں۔ اگر آپ لوگوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا تو کسی دن میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔"

"اللہ نہ کرے۔" اماں جی نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

"تو چھوڑ دیں اس کی طرف داری۔ مت کریں اس کے ساتھ ہمدردی۔ وہ عورت ہرگز اس قابل نہیں ہے۔ نبیل کی وجہ سے میں نے اس کا بہت لحاظ کیا لیکن اسے اس کی بھی پرواہ نہیں ہے کتنے دن ہو گئے ہیں نبیل کو گئے ہوئے۔ ایک دن بھی اس نے آپ سے پوچھا کہ وہ کب آئے گا۔"

ایک طویل عرصے بعد وہ اتنا بول رہے تھے۔ گویا برسوں کا غبار تھا۔

"پھر بھی بیٹا! نبیل کا خیال کر کے تم ٹھنڈے دل سے سوچو۔"

اماں جی کسی طرح ان کے فیصلے کے حق میں نہیں تھیں۔ ایک آخری کوشش کے طور پر انہیں بچے کا احساس دلایا تو وہ کہنے لگے۔

"نبیل کا خیال ہی تو کر رہا ہوں۔ ماں کی بے توجہی سے مرجھا کر رہ گیا ہے اور جس دن اس نے ماں کی بے راہ روی محسوس کر لی بالکل ٹوٹ جائے گا۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی زبان پر نبیلہ کی بے راہ روی کا ذکر آ گیا۔

"بچے کی شخصیت کو بنانے اور بگاڑنے میں ماں کے کردار کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کل کو میرا بچہ اپنے وجود پر ہی نادم ہو اور کسی سے سر اُٹھا کر بات نہ کر سکے۔"

اس کے بعد اگر ان کے پاس کہنے کو کچھ تھا بھی تو ابا جی کو سر جھکائے دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے پھر جاتے جاتے بولے تھے۔

"مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کو دُکھ دے رہا ہوں۔"

ان کے جانے کے بعد ابا جی نے سر اُٹھا کر اماں جی کو دیکھا تو وہ رونے لگیں۔ پتا نہیں ان کے آنسو بیٹے کے دکھ پر چھلکے تھے یا اس عورت کے لیے جو دکھ کا باعث تھی۔ ابا جی نے بہر حال انہیں رونے سے منع نہیں کیا۔ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولے۔

"یہ سچ ہے میرے بیٹے نے اپنی طاقت سے زیادہ برداشت کیا دعا کرو، اللہ اسے سکون دے۔"

اماں جی دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرنے لگیں۔

"شاید اسی میں خدا مصلحت ہو گی۔"

ابا جی اٹھتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے بولے۔ تبھی عدیل نے آ کر سلام کیا تو جواب دے کر ابا جی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے اماں جی نماز کی نیت سے اٹھتیں عدیل نے کھانا مانگ لیا۔

"نماز سے پہلے مجھے کھانا دے دیں اماں جی۔" پھر بیٹھتے ہوئے اماں جی پر نظر پڑی تو ٹھٹک گئے۔

"کیا بات ہے اماں جی! آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں۔"

اماں جی اٹھنے لگیں تو عدیل نے جلدی سے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیے اور انہیں بتانے پر مجبور کرنے لگے۔ اسی وقت ادھر سے نبیلہ بھابی گھر میں داخل ہوئیں اور اُدھر سے بڑے بھیا بہت تیزی میں سیڑھیاں اترتے ہوئے آ گئے یوں جیسے انتظار میں تھے۔ یقیناً انہوں نے اوپر سے نبیلہ کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور بجائے ان کا اوپر انتظار کرنے کے خود ہی نیچے آ کر ان کا راستہ روک لیا۔

"کیا بات ہے؟" نبیلہ کا اپنا انداز تھا۔ غیر معمولی بات پر بھی اس کے تفاخر میں فرق نہیں آتا تھا۔ پیشانی پر بل ڈال کر بولی۔ "اس طرح راستے میں کھڑے ہونے کا مطلب؟"

"واپس لوٹ جاؤ، جہاں سے آئی ہو اور جس کے ساتھ آئی ہو۔"

ان کے لہجے کا ٹھہراؤ اس بات کا غماز تھا کہ وہ ضبط کی انتہا پر کھڑے ہیں۔

نبیلہ نے قدرے سٹپٹا کر اماں جی اور عدیل کو دیکھا پھر ان سے بولی۔

"میں ہرگز تمہیں اپنی انسلٹ کی اجازت نہیں دوں گی۔ جو کچھ کہنا ہے اوپر چل کر کہو۔"

"کہنے سننے کا وقت نکل گیا ہے نبیلہ بیگم۔ ایک ہفتہ پہلے میں نے تمہیں وارننگ دی تھی۔ اپنی روش بدلو۔ اگر نہ بدل سکو تو اس گھر میں مت آنا۔ آج کی تاریخ دیکھ لو۔ یہی دن طے ہوا تھا ناں۔"

انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اسے یاد دلایا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"تو تم نے فیصلہ کر لیا؟"

انہوں نے ہونٹ بھینچ کر اثبات میں سر ہلایا تو اس نے ان پر سے نظریں ہٹا کر اماں جی کو روتے ہوئے اور عدیل کو گم صم دیکھا پھر در و دیوار پر نظر ڈالنے کے بعد آخر میں انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"اگر میں نچلے درجے کی کوئی عام سی عورت ہوتی عقیل احمد تو تمہاری منتیں کرتی یا پھر کوستی کہ جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا، وہ تمہاری۔"

"خبردار....." وہ جو بہت ضبط کر رہے تھے چیخ پڑے۔ "تمہاری زبان پر میرے گھر کی کسی عورت کا نام نہ آئے۔"

"بہت پارسا ہیں تمہارے گھر کی عورتیں۔ ہا۔" وہ تلملا کر ہنسی۔ بڑی زہریلی ہنسی تھی۔ عدیل اپنی جگہ سے اُٹھ کر دونوں کے درمیان آ کھڑے ہوئے۔

"بڑے بھیا، پلیز، آپ اوپر جائیں۔" پھر اس کی طرف پلٹے۔ "بھابی پلیز"

"مت کہو اسے بھابی! طلاق دے رہا ہوں میں اسے۔"

"طلاق دے رہا ہوں۔"

"طلاق۔"

نبیلہ کو اگر افسوس نہیں تھا تب بھی ایک لحظے کو دل کانپا ضرور تھا۔ اس کے بعد کچھ نہ کہہ کر خود کو نچلے درجے کی عورت ثابت کرنے سے روکتے روکتے بھی دہلیز پر کھڑی ہو کر وہ چیخ کر بولی تھی۔

"عقیل احمد! مت بھولنا کہ تمہاری ایک بہن بھی ہے۔"

✿.....✿.....✿

اتنے شور اور ہنگامے میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ بی بی جان کی رسمیں بھی تو ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں۔ جانے کس کس چیز پر اس کا اور اس کے پہلو میں کھڑی مہرالنساء کا ہاتھ لگوا کر دونوں کے اوپر سے وار رہی تھیں۔

اگر یہ سب اس کی خواہش کے مطابق ہو رہا ہوتا تو وہ کتنا خوش ہوتا۔ بھاوجوں اور کزنز کی چھیڑ چھاڑ پر نہ صرف محظوظ ہوتا بلکہ برابر سے جواب بھی دیتا لیکن وہ تو ایسا گم صم کھڑا تھا کہ پہلو میں کھڑی مہرالنساء کے وجود کا احساس بھی نہیں تھا۔

"بس کریں بی بی جان! دلہن تھک گئی ہے۔" آخر بڑی بھابی کو احساس ہوا تو بڑھ کر مہرالنساء کو تھام لیا جو واقعی بھاری کپڑوں اور زیورات کے بوجھ سے جھکی جا رہی تھی۔ بی بی جان نے ہاتھ میں پکڑا تھال جیراں کو تھمایا پھر ایک طرف ہٹتے ہوئے مہرالنساء سے بولیں۔

"سنبھل کے۔ پہلے دایاں پاؤں آگے بڑھاؤ۔"

"چل بھئی شہزادے! تو بھی آگے بڑھ۔" چھوٹی بھابی نے اس کے بازو میں چٹکی کاٹتے ہوئے کہا اور اس نے قدم کیا بڑھایا کہ پھر رُکا ہی نہیں۔ پیچھے سے سب شور مچاتی رہ گئیں۔

"ارے اپنی دلہن تو لیتے جاؤ۔" اس نے جیسے سنا ہی نہیں راہداری سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے کے بجائے پچھلی طرف بارہ دری میں نکل آیا۔

دن بھر کی جھلسا دینے والی گرمی کے بعد ابھی بھی گو کہ ہوا نہیں چل رہی تھی پھر بھی قدرے سکون تھا وہ ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ایک تو ذہنی انتشار دوسرے تھکا دینے والی رسمیں اس کے اعصاب شل کر گئی

تھیں۔ کتنی دیر تک وہ بالوں میں انگلیاں پھنسائے خود کو سہارا دینے کی کوشش کرتا رہا پھر اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

جب ذہن کسی حد تک سوچنے کے قابل ہوا تب بھی وہ یکسوئی سے کچھ نہیں سوچ سکا۔ البتہ اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنی آسانی سے کیسے سازش کا شکار ہو گیا۔ شاید اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہ جہانگیر نے جو اس سے شہربانو کی شادی تک خاموش رہنے کا وعدہ لیا تھا تو اس سے پہلے وہ اسے بھی پابند کر دیں گے اور اسے پابند کر کے سب لوگ کتنے خوش تھے اندر سے آتی قہقہوں کی آوازیں اس کے ذہن پر ہتھوڑے برسانے لگیں تو اس کا دل چاہا وہ اسی وقت سب کی خوشیوں کو روندتا ہوا چلا جائے لیکن ابھی شہربانو رخصت نہیں ہوئی تھیں۔ کل تک اسے انتظار کرنا تھا اس کے بعد وہ ایک پل یہاں نہیں ٹھہرے گا۔

اس کا ذہن اچانک اپنے کل کے بارے میں سوچنے لگا تو پھر اسے کچھ خبر نہیں ہوئی۔ کتنی رات بیت گئی اندر باہر ہر طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید سب کو یقین تھا کہ وہ اپنے کمرے میں جا چکا ہے جبھی کوئی اسے ڈھونڈتا ہوا اس طرف نہیں آیا بلکہ سب اطمینان سے سو گئے تھے اور وہ اپنا اگلا اقدام سوچنے کے بعد جب پوری طرح مطمئن ہو گیا تب وہاں سے اٹھ کر اندر آیا۔

اس وقت گھڑی کی سوئیاں دو بجا رہی تھیں۔ وہ مہرالنساء کے سو جانے کا یقین کر کے اپنے کمرے میں آیا اور قصداً اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے سیدھا ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

اس کا خیال تھا کپڑے بدل کر اسی خاموشی سے اس کمرے سے نکل کر نیچے کہیں جا کر سو جائے گا۔ اپنے تئیں اس نے بہت احتیاط کی یعنی کوئی آہٹ نہیں ہونے دی۔ آیا بھی دبے پاؤں تھا۔ پھر کپڑے بدل کر اسی احتیاط سے ڈریسنگ روم سے نکلا تھا کہ بے اختیار نظر بیڈ پر بیٹھی اس لڑکی پر جا ٹھہری جس کا غیر معمولی حسن کبھی اسے متاثر نہیں کر سکا تھا لیکن اس ایک پل میں جانے کیا سحر تھا جس کی گرفت میں وہ یوں آیا کہ اس پر سے نظریں ہٹا ہی نہیں سکا۔ پتا نہیں اس کا انتظار کرتے کرتے وہ سو گئی تھی یا یونہی پلکیں موند لی تھیں۔ خود سے قدرے بے نیاز اور قدرے بے ترتیب سی ہو کر ہوش اڑائے دے رہی تھی اور اسی مدہوشی کے عالم میں اس نے درمیانی فاصلہ سمیٹا تو اس کے ہونٹ بے آواز جنبش کر رہے تھے۔

''مہرو! مہرو!''

اور یہ محبت کا نشہ نہیں تھا جس کا کیف ساری زندگی پر محیط ہو جاتا۔ اس کے برعکس وقتی جذبات تھے نفسانی خواہش جس سے مغلوب ہو کر وہ اپنی اولین شب اس کے نام کر گیا تھا جس کے ساتھ زندگی گزارنے پر اس کا دل آمادہ ہی نہیں تھا۔ اور گو کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا پھر بھی صبح ہونے سے پہلے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اور بے حد وحشت زدہ سا مہرالنساء کو دیکھنے لگا جو پا لینے کے احساس سے سرشار نیند میں بھی مسکرا رہی تھی جس سے وہ جنونی سا ہو کر اسے جھنجھوڑنے لگا۔

''مہرو۔ مہرالنساء!''

''جی!'' وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' عجیب سوال تھا وہ پریشان ہو گئی۔

''جی!''

''تم نے مجھے روکا کیوں نہیں تم نے مجھے روکا کیوں نہیں۔'' وہ اسے کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑنے لگا تو بڑی مشکل سے اپنا آپ چھڑا کر وہ بیڈ سے اتر کر بولی۔

''آپ، شاید آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' پھر جلدی سے گلاس میں پانی ڈال کر لے آئی۔ ''لیجیے پانی پی لیں۔''

اس نے گلاس لے کر ایک ہی سانس میں خالی کر دیا پھر بیڈ کی پشت پر سر رکھتا ہوا بولا۔

''یہ اچھا نہیں ہوا مہرالنساء! یہ اچھا نہیں ہوا۔'' اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔ مہرالنساء کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر ٹیبل پر رکھا پھر قریب آ کر بولی۔

''آپ لیٹ جائیں، میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔''

اس کے اندر اچانک تنفر بھر گیا۔ ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھتا ہوا زہر خند سے بولا۔

''کیا سمجھتی ہو تم، اس طرح میرا دل جیت لو گی۔''

''جیتے تو آپ ہیں شاہ! میں تو ہار گئی۔'' بڑا خوبصورت، بڑا دلنشین انداز تھا اس کا لیکن شاہ سکندر حیات اب ہوش میں آ چکا تھا۔ کچھ دیر تک اس کی جھکی ہوئی پلکوں کو دیکھتا رہا پھر پوچھنے لگا۔

''ہارنے کا دکھ نہیں ہے تمہیں؟''

''دکھ۔'' مہرالنساء نے زیر لب دہرایا پھر جیسے اپنی ہار سوچ کر مسکرائی۔ اور ایسے ہی جھکی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''آپ کو جیتنے کی خوشی نہیں ہے؟''

شاہ سکندر کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا کیا کہے اس سے کہ جسے وہ جیت کہہ رہی ہے وہ اس کی سب سے بڑی ہار ہے۔

✿ ✿ ✿

کل جب مہرالنساء کی ڈولی اس حویلی میں اتری تھی تو حویلی کی رونق میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا اور وہ ساری رونقیں شہر بانو کے رخصت ہوتے ہی ماند پڑ گئی تھیں۔

رواج کے مطابق مہرالنساء بھی اس کے ساتھ میکے چلی گئی تھی اور تین دن اسے وہیں رہنا تھا۔ بہر حال شاہ سکندر کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ شہر بانو کی رخصتی تک خاموش رہنے کا وعدہ نبھا چکا تھا اور مزید خاموش رہنا اس کے اختیار میں نہیں تھا نہ ہی صبح ہونے کا انتظار کر سکا۔ اسی وقت جا کر شاہ جہانگیر کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔

''کون ہے، آ جاؤ۔'' اندر سے شاہ جہانگیر کی آواز آئی تو اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا لیکن سامنے بھابی پر نظر پڑی تو وہیں رُک کر بولا۔

''بھائی! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

''ہاں ہاں! مجھے معلوم ہے بلکہ یاد ہے۔ کچھ دن صبر کر لو پھر اطمینان سے۔''

''یہاں ایک ایک پل بھاری ہے۔'' وہ درمیان میں بول پڑا تو شاہ جہانگیر نے اپنی بیگم کو دیکھ کر گویا اسے ان کی موجودگی کا احساس دلایا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''کیا صبح تک انتظار بھی نہیں کر سکتے!''

''ارے ابھی تو وہ گئی ہے اتنی بے قراری۔''

بھابی اپنی سمجھ کے مطابق مہرالنساء کے حوالے سے اسے چھیڑ کر ہنسیں تو اس نے شاہ جہانگیر کو دیکھا۔

''صبح۔'' انہوں نے اسی قدر کہا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ ان کا دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آ گیا۔

رات کے پرفسوں لمحات کی خوشبو ابھی اس کے کمرے سے گئی نہیں تھی، جو اس کے سوچنے کی راہ میں حائل ہو کر بار بار اس کا دھیان بٹا دیتی۔ تب جھنجھلا کر اس نے تکیے میں منہ چھپا لیا تھا۔

پھر صبح ناشتے کے بعد وہ بی بی جان کے پاس آ بیٹھا۔ اس کی بڑی بہن نور بانو بھی وہیں موجود تھیں۔ اور اپنے جانے کی بات کر رہی تھیں۔ وہ سن کر کہنے لگا۔

''اتنی جلدی کیوں جا رہی ہیں آپا۔ ابھی رہیں ناں۔''

''تم کہاں میرے پاس بیٹھتے ہو، سارا وقت تو اپنے کمرے میں بند رہتے ہو۔'' نور بانو گلہ کرتے ہوئے بولیں۔ ''میرے پاس آتے بھی نہیں ہو اب مہرالنساء کو لے کر آنا۔''

''جی!'' وہ اسی قدر کہہ کر فوراً بی بی جان کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ ''جہانگیر بھائی نے ناشتا کر لیا؟''

''ہاں، وہ تو سویرے ہی نکل گیا ہے۔'' بی بی جان نے بتایا تو وہ چونک گیا۔

''کہاں؟''

''رقبے پر گیا ہے!''

''اکیلے؟''

''نہیں۔ تمہارے بابا جان بھی ساتھ گئے ہیں۔'' پھر سرسری انداز میں پوچھنے لگیں۔ ''تمہیں کوئی کام ہے اس سے؟''

''جی۔ جی نہیں۔'' وہ ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر جاتے جاتے رُک کر بولا۔ ''بھائی آئیں تو ان سے کہیے گا میں اس سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔''

''کیا کہہ رہے ہو؟'' بی بی جان نے ٹھیک سے سُنا نہیں یا سمجھیں نہیں اور وہ اچانک ساری مصلحتوں کا دامن چھوڑ کر چیخ پڑا۔

''میں جا رہا ہوں بی بی جان یہاں سے، ہمیشہ کے لیے، آپ نے اور بابا جان نے میری بات سنی ہی نہیں تھی اور جہانگیر بھائی نے اتنا احسان کیا کہ نہ صرف میری بات سنی بلکہ سمجھ کر مجھے یقین بھی دلایا تھا کہ وہ میرے حق میں آپ لوگوں کو ہموار کریں گے لیکن وہ میرے ساتھ فاؤل کھیل گئے۔ اس سے زیادہ میں اپنی زندگی کے ساتھ کھیلنے کی اجازت کسی کو نہیں دے سکتا۔''

''ک۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟'' بی بی جان نے بوکھلا کر کہا اس سے، اور دیکھا نور بانو کو جو اس صورت حال کو نہ سمجھتے ہوئے بھی پریشان ہو گئی تھیں۔

''آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی جو میں نے بھائی پر اعتبار کر لیا۔ ان سے کہیے گا میں شہر بانو کی طرح گونگا بہرا نہیں ہوں نہ ہی ان کے سہارے کا محتاج۔ یہاں سے نکل کر اگر کچھ نہ کروں گا تب بھی پلٹ کر یہاں نہیں آؤں گا۔''

اس نے جانے کا فیصلہ سنا کر بی بی جان کے حواس چھین لیے۔

''بابا جان کے الفاظ حرف آخر تھے ناں تو میرا فیصلہ بھی اٹل ہے۔ ان ہی کی اولاد ہوں میں، انہوں نے اپنا شوق پورا کر لیا، اب میری باری ہے جا رہا ہوں میں۔''

وہ اپنے آپے میں نہیں تھا ورنہ اس سے پہلے کبھی بی بی جان کے سامنے اتنی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی جانے کیسے سارے لحاظ بھلا گیا۔

''سکندر۔ سکندر میرے بھائی!'' نور بانو اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کی طرف لپکیں۔ ''کہاں جا رہے ہو؟''

''بی بی جان جانتی ہیں۔'' وہ نور بانو کے قریب آنے سے پہلے ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا تو بی بی جان ایک دم ہوش میں آ کر پکار کر بولیں۔

''سکندر! اپنے باباجان کو تو آنے دو!'' وہ ان سنی کرتا آگے بڑھ گیا۔ تو بی بی جان شاہ یونس اور بہوؤں کو پکارنے لگیں۔

''کوئی روکو اسے، میں تمہارے باباجان کو کیا جواب دوں گی۔''

اور غلطی شاہ جہانگیر کی تھی۔ اگر اس کی بات سن لیتے تو آرام سے سمجھا بھی سکتے تھے۔ جیسے پہلے اسے رام کر لیا تھا۔ شاید اپنے طور پر انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا اور وہ اس قدر مشتعل ہو گیا تھا کہ بڑی بہن اور بھاوجیں منتیں کرتی رہ گئیں، شاہ یونس نے ہر طرح روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں رُکا۔ اسی وقت اپنا ضروری سامان لے کر حویلی سے نکل گیا تھا۔

✿ ✿ ✿

''آسیہ!'' اس نے شکیل بھائی کی پکار سن کر سب بچوں کو آرام سے کھیلنے کی تاکید کی پھر کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگے۔

''بیٹا! وہ عدیل کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا، اماں جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا ہوا اماں جی کو؟'' ادھر سے سیما بھابی سنتی ہوئی آ رہی تھیں۔ فوراً پوچھنے لگیں۔

''پتا نہیں، زیادہ کچھ نہیں بتایا عدیل نے۔ میرا خیال ہے اکیلے میں گھبرا گئی ہوں گی۔'' شکیل بھائی بیوی کو جواب دے کر اسے دیکھنے لگے۔

''تو ہم چلے جاتے ہیں۔'' اس نے کہا تو شکیل بھائی پرسوچ انداز میں ذرا سا سر ہلا کر بولے۔

''ہوں۔ عدیل یہی کہہ رہا تھا کہ ابا جی سب کو واپس بلا رہے ہیں۔''

''عدیل نے یہاں فون کیوں نہیں کیا۔ کم از کم ہم اماں جی کے بارے میں تفصیل سے تو معلوم کر لیتے۔''

''اسی لیے اس نے یہاں فون نہیں کیا۔ کیونکہ وہاں گھر کا فون خراب تھا اور آفس میں بیٹھ کر وہ تم خواتین سے لمبی چوڑی بات نہیں کر سکتا تھا۔'' شکیل بھائی نے زور دے کر بیوی کو جتایا پھر اس سے کہنے لگے۔

''بیٹا! تم تیاری کر لو۔ کل صبح کی ٹرین ہے۔''

''یعنی آپ ٹکٹ بھی لے آئے'' سیما بھابی نے تعجب کا اظہار کیا۔

''ٹھیک تو ہے بھابی! ہمیں فوراً جانا چاہیے پتا نہیں اماں جی!''

اس کا دھیان اماں جی کی طرف تھا۔ اس بحث سے اکتا کر بولی تو شکیل بھائی نے چونک کر اسے دیکھا پھر تسلی دیتے ہوئے بولے۔

''زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے بس وہی اکیلے میں گھبرا گئی ہیں، تم جاؤ تیاری کرو۔''

اسے محسوس ہوا جیسے شکیل بھائی کچھ چھپا رہے ہیں تب اندر ہی اندر اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اور کیونکہ بات اماں جی کی تھی۔ اس لیے کسی اور طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا۔ فوراً جا کر پہلے میمونہ بھابی کو بتایا پھر آ کر اپنا سوٹ کیس پیک کرنے لگی جیسے اسی وقت روانگی ہو اور اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ اسی وقت اماں جی کے پاس پہنچ جائے۔ بڑی مشکل سے رات کٹی تھی اور پھر آگے طویل سفر تھا گو کہ شکیل بھائی اور پھر سیما بھابی بھی وقت رخصت یہی کہتی رہی تھیں کہ یہ صرف تم لوگوں کو بلانے کا بہانا ہے۔ لیکن اس کا دل ماننے کو تیار نہیں تھا۔

''ابا جی ایسے نہ بلاتے تب بھی ہمیں جانا تھا ضرور کوئی بات ہے۔''

تمام راستہ وہ یہی سوچتی آئی تھی۔ آگے کراچی اسٹیشن پر عدیل موجود تھے۔ اور وہ جو شکیل بھائی کے سامنے کسی بے قراری یا تشویش کا اظہار نہیں کر سکی تھی عدیل بھائی سے اپنی کیفیت چھپا نہیں سکی۔

''سچ بتائیں عدیل بھائی، کیا بات ہے؟''

''کیا بات ہے؟'' وہ الٹا اس سے پوچھنے لگے۔

''اماں جی تو ٹھیک ہیں ناں؟''

''ہاں ٹھیک ہیں اور بڑی بے قراری سے تم لوگوں کا انتظار کر رہی ہیں۔'' پھر فوراً میمونہ بھابی کی طرف گھوم کر کہنے لگے۔

''آپ نے بھی تو حد کر دی بھابی! سب بچوں کو لے کر چل پڑیں۔ ایک دو کو اماں جی کے پاس چھوڑ جاتیں۔''

''ایک کو چھوڑ تو گئی تھی۔'' میمونہ بھابی کا اشارہ اپنے میاں کی طرف تھا عدیل سمجھ کر زور سے ہنسے تبھی نبیل پر نظر پڑی تو اسے اپنے ساتھ لگا کر بولے۔

''اور پارٹنر کیسے ہو، یہ بیگ اٹھا لو گے؟''

''میں اٹھالوں گا۔'' احمر نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں تو میمونہ بھابی ٹوکتے ہوئے بولیں۔

''کنجوس آدمی، قلی بلالو۔ پیسے میں دے دوں گی۔''

''گواہ رہنا آسیہ! یہ بعد میں مکر جاتی ہیں۔''

وہ بھاوج کو شرارت سے دیکھتے ہوئے بولے۔ تو اس چھیڑ چھاڑ میں آسیہ بہت حد تک وسوسوں سے نکل آئی۔ ظاہر ہے اگر کوئی سیریس بات ہوتی تو عدیل بھائی اتنے آرام سے نہیں ہو سکتے تھے، تمام راستہ وہ میمونہ بھابی کے ساتھ اس طرح مذاق کرتے رہے اور میمونہ بھابی بھی گو کہ برابر سے جواب دے رہی تھیں لیکن سفر کی تھکان کے باعث ان کے لہجے میں شگفتگی نہیں تھی۔

اپنے گھر آنے کی خوشی ہی الگ ہوتی ہے بچوں نے دروازے سے داخل ہوتے ہی اماں جی اور ابا جی کو پکارنا شروع کر دیا۔ احمر اور سونیا بھاگ کر اماں جی کے تخت پر چڑھ کر ان سے لپٹ گئے۔ نبیل بھی ان کی تقلید کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے ہی ابا جی نے اسے اپنے بازوؤں میں لے کر سینے میں بھینچ لیا۔

''اف اماں جی! میں تو پریشان ہو گئی تھی۔'' جب اس کی باری آئی تو اماں جی کے گلے لگتی ہوئی بولی۔

''عدیل بھائی نے آپ کی بیماری کا کیوں کہا؟''

''میں نے منع بھی کیا تھا اسے۔ خیر تم سناؤ۔ وہاں شکیل کے ہاں سب خیریت ہے ناں بچوں کی چھٹیاں تھیں۔ سیما بھی آجاتی تم لوگوں کے ساتھ۔'' اماں جی موضوع بدل گئیں۔

"ہاں، سیما بھابی کا دل بھی چاہ رہا تھا لیکن شکیل بھائی کو کھانے وغیرہ کی پرابلم ہو جاتی۔ اس لیے نہیں آئیں اب آپ جایئے گا۔"

اس نے کہا تو اماں جی قصداً ان سنی کر کے عدیل سے کہنے لگیں۔

"عدیل! یہ تو تھکی ہوئی آئی ہیں۔ اس وقت چائے تم بنالو۔"

"نہیں اماں جی!" وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔ "عدیل بھائی کیوں بنائیں گے!"

"بنانے دو۔ بنانے دو۔" میمونہ بھابی کو موقع مل گیا۔ "چلو عدیل شاباش کام کیا کرو۔"

"نہیں بھابی! یہ کام میرا ہے۔"

وہ کہہ کر جانے لگی کہ نبیل کو سیڑھیاں اترتے دیکھ کر وہیں رُک گئی۔ پتا نہیں کس وقت وہ اوپر چلا گیا تھا حالانکہ اسے اچھی طرح پتا تھا کہ اس وقت اوپر کوئی نہیں ہوتا۔ پھر بھی آخری سیڑھی تک آ کر کہنے لگا۔

"پھپھو! اوپر کوئی نہیں ہے!"

"پاپا تو شام میں آتے ہیں بیٹا اور ممی بھی آجائیں گی۔ آپ جاؤ اماں جی کے پاس بیٹھو، چائے پیو گے ناں؟"

وہ اسے نرمی سے سمجھا کر کچن میں آ گئی اور ابھی چولہا جلا کر کیتلی میں پانی رکھ رہی تھی کہ عدیل بھائی اس کے پیچھے آ گئے۔

"میں بنالوں گی بھائی!" وہ یہی سمجھی اس کا ہاتھ بٹانے آئے ہیں۔

"نبیل کیا کہہ رہا تھا؟" انہوں نے اس کی بات نظر انداز کر کے پوچھا تو وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

"بچہ ہے ناں، اتنے دن ماں باپ سے دور رہا۔ انہی کا پوچھ رہا تھا۔"

"سنو۔" عدیل بھائی اسے مصروفیت سے نکال کر کہنے لگے۔ "اس بچے کو تمہیں کسی طرح بہلانا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ ان کے لہجے پر ٹھٹھک گئی اور انہوں نے پہلے اپنے پیچھے دیکھ کر گویا کسی کے نہ ہونے کا یقین کیا پھر آواز دبا کر بولے۔

"بڑے بھیا نے نبیلہ بھابی کو طلاق دے دی ہے۔"

"کیا؟" اسے شدید دھچکا لگا تھا انتہائی دکھ سے بولی۔ "کیوں عدیل بھائی؟ بڑے بھیا نے ایسا کیوں کیا؟"

"میرے حساب سے تو بڑے بھیا کو یہ قدم بہت پہلے اٹھانا چاہیے تھا پتا نہیں اتنی دیر کیوں کی!"

عدیل بھائی بڑے آرام سے کہہ کر کچن سے نکل گئے اور اس کے آنسو چھلک پڑے۔ حالانکہ نبیلہ بھابی اس گھر میں اجنبیوں کی طرح رہتی تھیں۔ پھر بھی اسے دکھ ہو رہا تھا۔

✿ ✿ ✿

اس کے خیال میں نبیل کو بہلانا مشکل نہیں تھا۔ کیونکہ پہلے بھی وہ سارا وقت اس کے اور اماں جی کے پاس رہتا تھا۔ بس رات میں سونے کے لیے ہی اوپر جاتا۔ تب بھی نبیلہ بھابی کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی اور ابھی بھی ان کی طرف سے نبیل کو ملنے یا لینے کا کوئی مطالبہ نہیں ہوا تھا۔ جس سے ظاہر تھا کہ وہ اسے اپنے پاؤں کی

زنجیر نہیں بنانا چاہتیں۔ اور حیرت انگیز طور پر نبیل کے دل میں اس عورت کے لیے اتنا گداز تھا کہ اس کی کمی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے بیمار پڑ گیا۔ رات رات بھر جاگ کر انتظار کرتا پھر اس سے پوچھتا۔

"پھپھو امی کیوں نہیں آئیں؟"

"امی کہاں چلی گئیں؟"

"پاپا کہہ رہے تھے امی اب کبھی نہیں آئیں گی۔ ہیں پھوپھو؟"

وہ اس کے سوالوں سے کبھی پریشان ہو جاتی کبھی حیران۔ اور حیرت اسے اسی بات پر تھی کہ وہ کیسے اس عورت سے اتنی محبت رکھتا ہے، جو اسے صرف جنم دینے کی سزاوار تھی۔ بہر حال وہ جو سوچ رہی تھی کہ اسے بہلانا مشکل نہیں ہے تو یہ آسان بھی نہیں تھا۔ اس کا سارا وقت اس کا دھیان ادھر اُدھر رکھنے میں گزر جاتا یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ تعلیم سے فارغ ہو چکی تھی، ورنہ اماں جی کسی طرح نبیل کو نہیں سنبھال سکتی تھیں۔

بڑے بھیا نے پتا نہیں کونسی مصروفیت ڈھونڈ لی تھی رات میں اتنی دیر سے آتے تو اس کے کمرے میں بس دروازے میں کھڑے کھڑے پوچھتے۔

"نبیل سو گیا؟"

"تمہیں زیادہ تنگ تو نہیں کرتا؟"

اور وہ جی اور جی نہیں سے زیادہ کچھ نہیں کہتی تھی۔ لیکن اندر ہی اندر کڑھتی ضرور تھی کہ ماں نے تو چھوڑا ہی، باپ بھی اتنا لاپرواہ ہو گیا ہے۔

"کم از کم بڑے بھیا کو تو احساس ہونا چاہیے۔" اس وقت وہ میمونہ بھابی کے سامنے کڑھ رہی تھی۔

"اسی لیے نبیل زیادہ حساس ہو رہا ہے کہ ماں باپ دونوں میں سے کوئی اسے نظر نہیں آتا ہم اس سے کتنی محبت کریں اس کے ماں باپ تو نہیں ہو سکتے۔"

"ہوں!" میمونہ بھابی گو کہ دیکھ اسے ہی رہی تھیں لیکن جانے دھیان کہاں تھا۔

"ایمان سے بھابی! مجھے بڑا ترس آتا ہے۔ رات میں کتنی بار چونک کر اٹھتا ہے پھر سہم کر میرے سینے میں منہ چھپا لیتا ہے۔"

"ہوں۔" میمونہ بھابی کا انداز ابھی بھی سوچتا ہوا تھا جس پر اس نے رُک کر انہیں دیکھا پھر ان کا ہاتھ ہلا کر پوچھنے لگی۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں؟"

"میں نبیل کا سوچ رہی ہوں اور ساتھ تمہارا بھی۔" میمونہ بھابی نے بغیر چونکے کہا تو وہ متعجب ہوئی۔

"میرا؟"

"ہاں تم جو نبیل کو اپنا اتنا عادی بنا رہی ہو تو یہ اچھی بات نہیں ہے کل کو جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو وہ کیا کرے گا۔"

میمونہ بھابی اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔ "میں یہ نہیں کہتی کہ اس کا خیال نہیں رکھو، البتہ اسے بالکل اپنا محتاج نہیں بناؤ ورنہ وہ ایک بار پھر ٹوٹ جائے گا۔ اس سے تمہاری دوری برداشت نہیں ہو گی۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔"

"ہوں۔" اس نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر کہنے لگی۔ "میں کیا کروں، وہ سارا وقت میرے ساتھ

لگا رہتا ہے۔"

"تھوڑا نظر انداز کرو گی، تب وہ اِدھر اُدھر کھیلنے میں لگے گا، اور میں اماں جی سے کہوں گی، اسے اپنے پاس سلایا کریں!"

"نہیں بھابی! ابھی نہیں۔" اس کا اپنا دل بھی تو ایسا ہی نرم تھا۔

"پاگل مت بنو۔ تمہارے جانے کے بعد ہم سب کو مشکل ہو گی!" میمونہ بھابی نے ٹوکا۔ پھر اسے متوجہ کر کے پوچھنے لگیں۔ "سنو! ابھی تک وہ آیا نہیں۔ کب آنے کو کہا تھا اس نے؟"

"کوئی وقت تو مقرر نہیں کیا تھا بس یہ پوچھا تھا کہ میں کراچی کب جاؤں گی۔" وہ اپنے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کراچی آئے ہوئے بھی ہمیں پندرہ بیس دن ہو گئے ہیں اسے کم از کم فون تو کرنا چاہیے تھا کچھ حالات کا پتا چلتا کہ وہ اپنے ماں باپ کو راضی کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوا، میں غلط تو نہیں کہہ رہی ناں!"

اس کے دیکھنے پر میمونہ بھابی نے پوچھا تو ذرا سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اچھا سنو! میں اپنے طور پر اماں جی سے ذکر کروں، میرا مطلب ہے یونہی پہلے تمہاری شادی کی بات چھیڑوں گی پھر اس کا نام لوں گی۔"

میمونہ بھابی نے اچانک کسی خیال کے تحت کہا۔

وہ کچھ نہیں بولی، بس سر جھکا لیا گویا ان کی بات سے اتفاق کر لیا تھا۔

اور اس رات نبیل کو کہانی سناتے ہوئے، وہ اپنی ہی کہانی میں کھو گئی۔ میمونہ بھابی ٹھیک کہہ رہی تھیں، شاہ سکندر کو فون ضرور کرنا چاہیے تھا پتا نہیں کن کاموں میں اُلجھ گیا ہے اور جانے اس نے اپنے گھر میں میرا ذکر کیا بھی ہے یا نہیں۔ یا شاید!

"پھپھو!" نبیل اس کی ادھوری کہانی میں الجھ رہا تھا۔ "شہزادہ نہیں آئے گا تو شہزادی کی شادی کس سے ہو گی!"

"شہزادہ، کیوں نہیں آئے گا ضرور آئے گا!"

وہ اپنے خیال میں بولی پھر چونکی تو ہنس پڑی اور نبیل کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولی تھی۔

"شہزادہ ضرور آئے گا بیٹا۔"

"اور اگر راستہ بھول گیا؟"

"محبت کرنے والے راستہ نہیں بھولتے البتہ ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ جنہیں دور کرنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔"

اس نے سوچتے ہوئے پلکیں موند لیں۔

✿ ✿ ✿

شاہ سکندر سیدھا احمد حسن کے پاس آیا تھا۔ کیونکہ اس کے اکاؤنٹ میں جو رقم تھی اسے وہ اِدھر اُدھر رہائش اور دوسرے اخراجات میں خرچ نہیں کر سکتا تھا یعنی بہت احتیاط سے چلنے کی ضرورت تھی اور اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جو کسی بھی خرچ سے پہلے اسے سوچنا پڑ رہا تھا ورنہ وہ تو لٹانے کا عادی تھا اور کبھی حساب بھی نہیں رکھا۔ جبھی اب اسے مشکل پیش آ رہی تھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی رقم میں وہ کوئی چھوٹا موٹا گھر خریدے یا

کاروبار شروع کرے اور کاروبار کا بھی اسے کوئی تجربہ نہیں تھا۔

بالآخر اسے اپنا مسئلہ احمد حسن کے سامنے رکھنا پڑا۔ گو کہ اس نے آتے ہی اسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنے والدین سے ناراض ہو کر چھوڑ آیا ہے اور سب بھی بتایا البتہ اپنی شادی چھپا گیا تھا۔ اس کی وجہ صرف اس کا احساس برتری تھا۔ جسے وہ قائم رکھنا چاہتا تھا اسے یہ ہرگز گوارا نہیں تھا کہ وہ کسی ایک پہلو سے کمزور نظر آئے۔

"میں اپنی زندگی خود بناؤں گا آسیہ کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ گو کہ میرے اور بھی بہت دوست ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ تم پر بھروسہ ہے اسی لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں احمد حسن کہ تم پورے خلوص سے میرا ساتھ دو گے۔"

اس نے احمد حسن سے کہا تو جواب میں وہ بولا تھا۔

"تم نے میرا مان بڑھا دیا ہے شاہ سکندر! میں ہر پل تمہارے ساتھ ہوں۔"

"میں تمہیں زیادہ تنگ نہیں کروں گا۔" اس نے کہا۔

اور پھر دو تین روز وہ خود ہی سوچتا رہا کہ پہلے اسے کیا کرنا چاہیے، جب سمجھ میں نہیں آیا تب احمد حسن کو بلا لیا اور اپنی چیک بک اس کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔

"میرے پاس کل اتنی رقم ہے جبکہ فوری حل طلب مسئلے دو ہیں گھر اور کاروبار۔ بتاؤ اتنی رقم میں یہ دونوں مسئلے حل ہو سکتے ہیں؟"

احمد حسن اس کی چیک بک کا جائزہ لے کر سوچ میں پڑ گیا اور غالباً فوری طور پر اس کی سمجھ میں بھی نہیں آیا جب ہی کہنے لگا۔

"اتنی جلدی کیا ہے یار! اطمینان سے سوچیں گے۔"

"نہیں احمد! میرے پاس اطمینان سے سوچنے کا وقت نہیں ہے اُدھر آسیہ انتظار میں ہو گی اور میں اس کے پاس اسی وقت جاؤں گا جب میری اپنی کوئی حیثیت ہو گی!"

اس نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ احمد حسن کو پھر سے سوچنا پڑا اور کتنی دیر بعد اسے دیکھ کر مسکرایا تو وہ فوراً پوچھنے لگا۔

"کچھ سمجھ میں آیا؟"

"ہاں، ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ فی الحال گھر خریدنے کی بجائے کوئی اپارٹمنٹ کرائے پر لے لو، اس میں کچھ زیادہ خرچ نہیں ہو گا باقی رقم سے کوئی بزنس شروع کر دو۔"

احمد حسن دونوں مسئلوں کا۔ فوری حل بتا کر پوچھنے لگا۔

"کوئی بزنس ہے تمہارے ذہن میں یا وہ بھی مجھے سوچنا پڑے گا۔"

"مل کر سوچیں گے۔" وہ ہنسا۔ اس کی ہنسی اس بات کی غماز تھی کہ اسے احمد حسن کا مشورہ پسند آیا تھا۔

پھر اگلے کئی دن اسے گھر دیکھنے میں لگ گئے۔ اب تک اس کا جو معیار زندگی رہا تھا ظاہر ہے، ایک دم سے اس سے بہت نیچے نہیں آ سکتا تھا اور اس معیار کو برقرار رکھنا بھی مشکل تھا اس لیے اس نے ایک اچھے صاف ستھرے علاقے میں تین کمروں کا اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیا پھر اسے ڈیکوریٹ کرنے میں گو کہ اپنے حساب سے اس نے بہت بخل سے کام لیا تھا پھر بھی بہت خوبصورتی سے سجا لیا۔

اس کے بعد یوں اطمینان سے ہو گیا جیسے سارے مسئلے حل ہو گئے ہوں یا شاید اس کے نزدیک اصل

مسئلہ یہی تھا اور روزگار کی کیونکہ پہلے کبھی اسے فکر نہیں کرنی پڑی تھی، اس لیے لاشعوری طور پر وہ کچھ مطمئن سا تھا۔ جیسے یہ مسئلہ اپنے آپ حل ہو جائے گا۔ یا ہو سکتا ہے اتنی بڑی جائیداد میں اسے اپنے حصے کا خیال ہو۔

بہر حال گھر کی سیٹنگ کرتے ہی وہ آسیہ سے ملنے کو بے چین ہو گیا۔ لیکن وہ اس طرح نہیں جانا چاہتا تھا بلکہ جیسا کہ اس سے کہہ آیا تھا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر آئے گا اور اب گھر والے نہیں تھے تو اس نے احمد حسن اس کی والدہ اور بہن نائلہ کو اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا۔ نائلہ کیونکہ ٹین ایج تھی، اس لیے بڑے شوق سے تیار ہو گئی اور تیار تو اس کی امی بھی ہو گئی تھیں لیکن انہیں دھڑکا لگا ہوا تھا۔

''بیٹا! تمہارے ماں باپ ہم سے ناراض نہیں ہوں گے کہ ان کی اجازت کے بغیر ہم نے تمہاری شادی کرا دی۔''

''آپ سے کیوں ناراض ہوں گے آنٹی! آپ اپنی مرضی سے تو نہیں جا رہیں۔ میں آپ کو لے کر جا رہا ہوں۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ میرے والدین کو خبر ہی نہیں سب پتا ہے بس یہ ہے کہ وہ یہاں میری شادی کے حق میں نہیں ہیں۔ اسی لیے تو میں گھر چھوڑ آیا ہوں۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میرے گھر والے زیادہ عرصہ میری دوری نہیں سہہ سکیں گے، میرے پاس آنے کے لیے انہیں بہانا چاہیے ہوگا اور وہ بہانا ظاہر ہے ان کی بہو ہو گی۔''

اس نے بڑے اعتماد سے انہیں یقین اور اطمینان دلایا حالانکہ اسے ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا۔

''ہاں، ماں باپ کو اولاد کی خوشی کے سامنے جھکنا ہی پڑتا ہے۔'' آنٹی نے کہا تو وہ اندر ہی اندر اطمینان سے ہو کر بولا۔

''جی۔ اور ان لوگوں سے بھی آپ نے یہی کہنا ہے۔''

''فکر نہیں کریں سکندر بھائی! ان کے سامنے میں آپ کی وہ تعریفیں کروں گی وہ تعریفیں۔'' نائلہ کے جوش کے سامنے اس نے بند باندھ دیا۔

''بس۔ تم براہ مہربانی خاموش ہی رہنا۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ تم خاموش اچھی لگتی ہو۔'' اس نے مذاق میں ٹالا پھر احمد حسن کو چلنے کا اشارہ کیا تو وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

شام اتر رہی تھی جب اس نے آسیہ کے گھر میں قدم رکھا۔ حسب سابق اباجی بڑی خندہ پیشانی سے اس سے ملے پھر اس کے ساتھ اور لوگوں کو دیکھ کر کچھ ٹھٹکے تو وہ فوراً تعارف کرواتا ہوا بولا۔

''اچھا۔ اچھا۔ بہت خوشی ہوئی، بیٹھیں، بیٹھیں آپ لوگ۔''

اباجی پر قدرے بوکھلاہٹ سوار ہو گئی تھی۔ انہیں بٹھا کر فوراً کمرے سے نکل گئے۔ کچھ دیر بعد واپس آئے تو عدیل ساتھ تھے اور پیچھے اماں بھی ایک بار پھر تعارف ہوا اور جب اماں جی بیٹھیں تو پوچھنے لگیں۔

''آپ شاہ پور سے آئی ہیں؟'' پہلا سوال ہی غیر متوقع تھا۔ آنٹی نے بے اختیار شاہ سکندر کو دیکھا۔ لیکن اس سے پہلے نائلہ بول پڑی۔

''نہیں، ہم لوگ یہیں رہتے ہیں اور اب تو سکندر بھائی بھی یہیں آ گئے ہیں۔''

شاہ سکندر نے واقعی حیران ہو کر اس لڑکی کو دیکھا جس نے پہلے مرحلے پر ہی اصل موضوع کی طرف پیش رفت کر دی تھی۔ پھر بات کو مزاح کا رنگ دے کر بولا۔

"جی ہاں! ایک بھائی پر رعب جما کر اس لڑکی کا دل نہیں بھرتا تھا اس لیے مجھے بھی یہیں آنا پڑا۔"
"بہنوں کا بھائیوں پر ہی تو بس چلتا ہے۔ اور محبت بھی بہت کرتی ہیں۔" اماں جی نے پیار سے نائلہ کو دیکھتے ہوئے کہا پھر پوچھنے لگیں۔
"پڑھتی ہو بیٹی!"
"جی۔ اب میڈیکل کے دوسرے سال میں گئی ہوں۔"
"ماشاء اللہ!"
"آپ کی بیٹی بھی غالباً۔" آنٹی آسیہ کے بارے میں پوچھتے ہوئے قدرے جھجک گئیں۔
"جی میری بیٹی کا بس آخری امتحان تھا۔" اماں جی سادہ عورت تھیں، اپنے انداز میں جواب دیا تو نائلہ شوق سے پوچھنے لگی۔
"کہاں ہیں وہ، میں مل سکتی ہوں ان سے؟"
"ہاں ہاں کیوں نہیں، اندر چلی جاؤ یا میں بلاتی ہوں اسے۔"
"نہیں، میں جا رہی ہوں۔"
نائلہ فوراً کھڑی ہو گئی اور کچھ شوخ نظروں سے شاہ سکندر کو دیکھا لیکن وہ عدیل سے کوئی بات کر رہا تھا تب وہ احمد حسن کو کچھ اشارہ کر کے ڈرائنگ روم سے نکل کر برآمدے تک آ گئی۔ اس کے بعد سمجھ میں نہیں آیا کہاں جائے سامنے کوئی نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ کچھ شش و پنج میں پڑ گئی تبھی اپنے پیچھے قدموں کی آواز سن کر پلٹی تو عدیل کو دیکھ قدرے نروس ہو گئی۔ وہ غالباً چائے وغیرہ کا کہنے آ رہے تھے۔ رُک کر پوچھنے لگے۔
"آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟"
"وہ۔ مجھے آسیہ باجی کے پاس جانا ہے!" اس نے کہا تو عدیل آیئے کہہ کر آگے چل پڑے۔ وہ فوراً ان کے پیچھے چل پڑی۔ اور آسیہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو عدیل بہن کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔
"آسیہ! یہ شاہ سکندر کی سسٹر ہیں۔"
آسیہ کا دل یکبارگی بڑے زور سے دھڑکا اور چہرے پر ایسے رنگ اترے جنہیں عدیل نے چونک کر دیکھا پھر قصداً نظریں چرا کر کمرے سے نکل گئے۔
"اُف! مجھے آپ سے ملنے کا اتنا شوق تھا۔"
عدیل کے جاتے ہی نائلہ نے اپنے جذبات کا برملا اظہار کیا اور بڑھ کر آسیہ کے گلے لگ گئی۔ پھر بیٹھی تو کہنے لگی۔
"آپ واقعی بہت اچھی ہیں۔"
"شکریہ!" آسیہ اس کے انداز پر بے ساختہ مسکرائی۔ "نام تو بتایا نہیں تم نے اپنا۔"
"نائلہ۔ میڈیکل میں پڑھتی ہوں۔" اس نے نام کے ساتھ تعلیم بھی بتائی تو آسیہ نہ صرف چونکی بلکہ الجھ بھی گئی کہ شاہ سکندر نے تو نہیں بتایا تھا کہ اس کی کوئی بہن میڈیکل میں پڑھتی ہے۔
"آپ کو بھی یقین نہیں آیا۔" اس کے چونکنے اور الجھنے پر نائلہ جو سمجھی، اسی حساب سے کہنے لگی۔
"سکندر بھائی بھی یقین نہیں کرتے حالانکہ انہوں نے خود میرا ایڈمیشن کروایا تھا۔"
"اچھا!" اسے کچھ تو کہنا تھا۔

"بہت اچھے ہیں سکندر بھائی۔ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اور ان کی محبت کا ثبوت یہ ہے کہ وہ آپ کی خاطر شاہ پور سے اپنے سارے ناتے توڑ آئے ہیں۔"

نائلہ شاہ سکندر کی تعریف کے ساتھ پر جوش انداز میں اس کی محبت کو سراہ رہی تھی اور وہ کچھ گم صم سی ہو گئی تھی۔

✿ ✿ ✿

مہرالنساء حیران تھی کہ شاہ سکندر کس بات پر ناراض ہو کر گیا ہے۔ کوئی اسے بتاتا بھی نہیں تھا بس اسی روز جب وہ تین دن میکے رہ کر آئی تھی تو بابا جان نے اسے اپنے کمرے میں بلا کر کہا تھا۔

"اب یہی تمہارا گھر ہے۔ یہاں کی ہر شے پر تمہارا حق ہے تو عزت و ناموس کی پاسداری تمہارا فرض ہے۔ اور مجھے یقین ہے تم اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرو گی۔

اور اب جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو، شاہ سکندر مجھ سے ناراض ہو کر یہاں سے چلا گیا ہے۔ اس کی ناراضگی مجھ سے ہے تم سے نہیں۔ اس لیے تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جہاں بھی گیا ہے۔ تمہیں اپنے پاس بلا لے گا۔ اس کے لیے تمہیں صبر سے انتظار کرنا ہے۔ کیونکہ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گا۔ تب ہی تمہارے بارے میں سوچے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غصہ اترنے پر وہ خود ہی یہاں آ جائے۔ بہر حال تم کسی سے ذکر نہیں کرنا۔ تمہارے ماں باپ تک کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ شاہ سکندر یہاں سے چلا گیا ہے۔ وہ یہیں موجود ہے، سمجھ رہی ہو ناں۔"

اور وہ نہ سمجھتی تب بھی اسے سمجھنا تھا کہ وہ کہیں باہر سے نہیں آئی تھی۔ اسی خاندان کی لڑکی تھی۔ ایسی ہی حویلی کی پروردہ جہاں پیدا ہوتے ہی لڑکیوں کے ہونٹوں پر قفل لگا دیے جاتے ہیں اسے حقوق و فرائض سمجھانے والے بابا جان یہ بھول گئے کہ اس کے سینے میں ایک دل بھی ہے جس نے بدقسمتی سے بہت پہلے محبت کی لے پر دھڑکنا سیکھ لیا تھا۔

کاش بابا جان شاہ سکندر کی ناراضگی کا سبب بھی بتاتے۔ وہ اپنے طور پر قیاس کرتے کرتے تھک گئی تھی پھر انتظار کے دن بھی طویل ہوتے جا رہے تھے، جس سے اس کی سوچیں نیا رُخ اختیار کرنے لگیں یعنی اس نے جو بابا جان کی بات پر یقین کر لیا تھا کہ شاہ سکندر کی ناراضگی اس سے نہیں ہے اور یہ کہ وہ اسے اپنے پاس بلا لے گا تو اب اسے لگ رہا تھا جیسے بابا جان نے اس سے غلط بیانی کی تھی۔ یا محض اسے بہلایا تھا۔ ورنہ اگر یہی سچ ہوتا تو شاہ سکندر کم از کم اسے ضرور بتا کر جاتا۔

ایک رات کی دلہن کو چھوڑ کر جانے والا۔ اس کے ذہن میں اچانک جھماکا ہوا تھا۔

"ہرجائی!"

✿ ✿ ✿

"ہاں ہرجائی ہی ہو سکتا ہے۔" مہرالنساء اس خیال پر گرفت مضبوط کر کے اپنی شب عروس کے ان لمحات سوچنے لگی، جب شاہ سکندر اس کے پاس آیا تھا۔ اور اسے یاد آیا اس کے اندر پا لینے کا احساس نہیں کھو دینے کا دکھ تھا۔ پشیمانی اور وحشت تھی۔

"یہ اچھا نہیں ہوا مہرالنساء! تم نے مجھے روکا کیوں نہیں؟"

"کیا سمجھتی ہو تم، اس طرح میرا دل جیت لو گی۔"

شاہ سکندر کے لہجے کی تلخی اسے اب محسوس ہوئی تھی تو سارے ارادوں پر سے پردے سرکنے لگے تھے اور اگر وہ اپنی روایات سے بغاوت کا حوصلہ رکھتی تو اسی وقت چیخ چیخ کر حویلی سر پر اٹھا لیتی لیکن اس کے برعکس وہ دکھ سے سوچ رہی تھی۔

"تم نے میرے جذبوں کو پامال کر کے اچھا نہیں کیا شاہ سکندر حیات! اس کے باوجود میں تمہارا انتظار کروں گی کہ یہ میری مجبوری نہیں ضد ہے۔"

اور جب ایک کمزور عورت کسی بات کو اپنی ضد بنا لے تو پھر وہ اتنی کمزور نہیں رہتی۔ فوراً تو نہیں لیکن دھیرے دھیرے مہرالنساء کو احساس ہو گیا کہ وہ اتنی کمزور نہیں ہے بلکہ اگر چاہے تو اس حویلی کے در و دیوار ہلا سکتی ہے۔ بدلے میں شہر بانو کی خوشیاں چھین کر اور اس نہج پر اس نے بس کچھ دیر کو سوچ کر سر جھٹک دیا۔ اس کے خیال میں اس طرح وہ شاہ سکندر سے اپنی توہین کا بدلہ نہیں لے سکتی تھی۔ وہ تو اسے وہ زخم لگائے گی جو اس کے اپنے دل پر لگا تھا اپنے طور پر اس نے فیصلہ کر لیا لیکن اپنے کسی عمل سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ شاہ سکندر کے حویلی چھوڑنے کا سبب جان چکی ہے۔

ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا اسے گئے ہوئے۔ اس دوران شہر بانو اور شاہ ہارون دو تین بار آ چکے تھے۔ دونوں بہت خوش تھے۔ شاہ ہارون نے ہر بار اس سے شاہ سکندر کا پوچھا تھا۔ اور اس نے بڑی خوبصورتی سے اسے مطمئن کیا تھا جیسے ابھی کچھ دیر پہلے وہ یہیں تھا اور ابھی کہیں گیا ہے یہاں تک کہ شہر بانو کو بھی معلوم نہیں تھا جب ہی وہ اتنی مطمئن تھی ورنہ دھڑکا تو لگا رہتا کہ کہیں مہرالنساء راز فاش کر کے اس کی ہنستی بستی زندگی میں آگ نہ لگا دے۔ اس وقت بڑی شوخی سے اسے گدگداتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"کیوں ری مہرو! تو تو کہتی تھی میرے بھائی کو تیری پرواہ نہیں۔ اب یہ کیا ہے؟"

"تمہیں کس نے بتایا.....؟" مہرالنساء بے اختیار اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹی تو شہر بانو کھلکھلاتی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"بی بی جان نے....."

"اُف یہ بی بی جان کوئی بات چھپا نہیں سکتیں۔"

"تم کب تک چھپا سکتی تھیں۔ خیر بیٹا ہونا چاہیے۔ بالکل میرے بھائی جیسا۔" شہر بانو نے اترا کر کہا تو وہ بے اختیار بولی۔

"ہرگز نہیں....." پھر فوراً نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا۔

✿ ✿ ✿

رات کا کھانا بناتے ہوئے اس کا دھیان مسلسل اندر اباجی، اماں جی اور بھائیوں کے درمیان ہونے والی میٹنگ میں لگا ہوا تھا۔ یقیناً شاہ سکندر کے پرپوزل پر بات ہو رہی تھی۔ اور پتا نہیں میمونہ بھابھی اپنے کمرے میں کیا کر رہی تھیں۔ ان ہی سے تو وہ سب کے خیالات معلوم کر سکتی تھی۔ لیکن جب انہیں خود ہی معلوم نہیں ہو گا تو اسے کیا بتائیں گی، یہی سوچ کر اس نے چولہا دھیما کیا اور ان کے کمرے میں آ کر قدرے جھجکتا کر پوچھنے لگی۔

"کیا کر رہی ہیں آپ؟"

"دیکھ لو۔ استری کر رہی ہوں۔" میمونہ بھابھی اپنے مخصوص لاپرواہ سے انداز میں بولیں تو اس نے آگے بڑھ کر استری کا پلگ نکال دیا۔

"دیکھ لیا۔ اب بس کریں۔"

"ارے یہ بچوں کے یونیفارم صبح انہیں اسکول جانا ہے۔" میمونہ بھابھی کے احتجاج پر وہ انہیں خاموشی کا اشارہ کرتے ہوئے آواز دبا کر بولی۔

"یہ کام بعد میں بھی ہوسکتا ہے۔ ابھی آپ اماں جی کے کمرے میں جائیں، وہاں سب جمع ہیں۔"

"سب کون.....؟"

"بڑے بھیا، خلیل بھائی، عدیل بھائی۔"

"پھر.....؟" میمونہ بھابھی کے سیدھے سادے انداز پر اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"اف، ایک تو آپ کو ہر بات پوری تفصیل سے سمجھانی پڑتی ہے۔"

"نہیں۔ آپ بڑی عقلمند خاتون ہیں۔" وہ فوراً ٹوک کر بولی "یہیں کھڑے کھڑے جان لیں گی کہ وہاں شاہ سکندر کے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے۔"

"اوہو! یہ بات ہے۔ میں ابھی سن کر آتی ہوں۔ تم ذرا عمر کا خیال رکھنا کہیں نیچے نہ گر جائے۔"

میمونہ بھابھی بہت عجلت میں بات ختم کر کے چلی گئیں۔ تو اس نے گہری سانس کھینچ کر گویا شکر کیا پھر عمر کو اٹھا کر برآمدے میں لے آئی اور نبیل کو اس کا خیال رکھنے کو کہا پھر کچن میں آ کر دوبارہ مصروف ہوگئی۔ لیکن اب اس کا دھیان اندر کے بجائے نبیل اور عمر کی طرف تھا۔ بار بار کچن کی کھڑکی سے جھانک کر دونوں کو دیکھ لیتی۔

تب ہی اندر سے سونیا بھاگتی ہوئی آئی۔ اس کے پیچھے احمر بھی تھا۔

"پھوپھو! احمر کو دیکھیں، میرے بال نوچ رہا ہے۔" سونیا نے اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر احمر سے بچنے کی کوشش کی لیکن احمر کا ہاتھ اس کے بالوں تک پہنچ چکا تھا۔

"پھوپھو!" سونیا زور سے چیخی تو وہ جو اس اچانک افتاد سے پریشان ہوگئی تھی۔ احمر کی بدتمیزی پر اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا پھر دونوں کو ڈانٹنے لگی۔

"ہر وقت لڑتے رہتے ہو۔ کوئی اور کام نہیں ہے تمہیں۔"

"اس نے میری لڈو کیوں پھاڑی ہے۔" احمر کا ابھی بھی بس نہیں چل رہا تھا اسے کھینچ کر مارے۔

"یہ بے ایمانی کر رہا تھا۔ میری گوٹ۔"

"بس خاموش۔" وہ سختی سے ٹوکتے ہوئے بولی۔ "چلو جاؤ۔ اپنے اپنے بیگ ٹھیک کرو، صبح سے اسکول جانا ہے۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔" احمر کے روٹھے لہجے پر وہ قدرے نرم پڑ گئی۔

"کیوں؟ تم کیوں نہیں جاؤ گے؟"

"اس نے میری لڈو کیوں پھاڑی۔"

"لڈو اور آجائے گی۔ اتنی سی بات پر لڑتے نہیں ہیں۔ چلو جاؤ شاباش۔ اسی وقت اپنے بیگ وغیرہ ٹھیک کرلو۔"

اس نے احمر کو پچکارتے ہوئے کہا پھر برآمدے میں آئی تو نبیل اس سے کہنے لگا۔

"پھوپھو! میں نے اپنا بیگ ٹھیک کرلیا ہے لیکن میرا یونیفارم نہیں مل رہا۔ پتا نہیں ممی نے کہاں رکھ دیا۔"

"وہی الماری میں ہوگا۔ اچھا میں خود نکال دوں گی۔"

''پھوپھو! نبیل بھائی کی ممی کہاں چلی گئیں؟'' ایسے موقعوں پر سونیا یہ سوال ضرور کرتی تھی۔
''پتا نہیں۔'' وہ قصداً لاپروائی سے کہہ کر عمر کی طرف متوجہ ہوگئی اور اس کی زبان میں اس سے بولنے لگی۔

''عمر بھی اسکول جائے گا لیکن ابھی تو یہ بہت ٹوٹا (چھوٹا) ہے۔''
معصوم بچہ پیار کی زبان پر کھلکھلانے لگا تو نبیل، احمر اور سونیا کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں اور بہت شوق سے اسے دیکھنے لگے۔
پھر سب سے پہلے بڑے بھیا۔ اماں جی کے کمرے سے نکل کر آئے اور ان سب پر ایک سرسری نظر ڈال کر سیدھے اوپر چلے گئے۔ ان کے بعد خلیل بھائی آئے تو اسے سب بچوں میں گھرے دیکھ کر کہنے لگے۔
''میمونہ تو فارغ ہو چکی ہیں۔ کوئی کام نہیں کرتیں، بچوں کو بھی تمہارے سر پر چھوڑ دیتی ہیں۔''
''یہ کس کی تعریف ہو رہی ہے۔'' میمونہ بھابھی پیچھے سے سنتی ہوئی آ گئیں۔
''آپ کی.....'' وہ بے ساختہ مسکرا کر بولی تو میمونہ بھابھی نے ناک سکیڑ کر شوہر کو دیکھا پھر اس سے کہنے لگیں۔

''یہ میری ایسی ہی تعریف کر سکتے ہیں۔''
''ایسی یا ویسی۔ تعریف ہی کی ہے ناں۔'' خلیل بھائی مسکراہٹ ہونٹوں میں چھپا کر بولے۔
''ارے آپ کیا تعریف کریں گے میری۔ میں تو .....'' شاہانہ انداز میں کہتے ہوئے میمونہ بھابی کو ہنسی آ گئی تو پیچھے سے عدیل بھائی ان کی بات پوری کرتے ہوئے بولے۔
''سراپا تعریف ہیں، چلیے اسی بات پر کھانا لگا دیں اگر تیار ہے تو.....''
''جی بھائی! کھانا تیار ہے۔ میں لگاتی ہوں۔'' وہ فوراً کھڑی ہوگئی اور کچن کی طرف جاتے جاتے اس نے سنا، خلیل بھائی کہہ رہے تھے۔
''جب آسیہ چلی جائے گی تب کیا کرو گی۔''
پتا نہیں میمونہ بھابھی نے کیا جواب دیا وہ سن نہیں سکی۔ کوشش بھی نہیں کی۔ اور کچن میں آ کر کھانا نکالنے لگی۔

پھر کھانے کے بعد نبیل نے اسے اپنا یونیفارم یاد دلایا تو وہ اسی وقت اوپر چلی آئی بڑے بھیا کھلی چھت پر اکیلے لیٹے تھے انہیں دیکھ کر اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ جانے انہوں نے خود کو اتنا تنہا کیوں کر لیا تھا۔ اس نے سوچا وہیں سے واپس پلٹ جائے لیکن جس کام سے آئی تھی، وہ بھی ضروری تھا۔ کچھ شش و پنج میں کھڑی تھی کہ بڑے بھیا نے اسے دیکھ لیا اور پکار کر بولے۔
''آسیہ! کیا بات ہے بیٹا.....؟''
''وہ.....'' وہ قدم بڑھا کر روشنی میں آ کر بولی ''میں نبیل کا یونیفارم لینے آئی تھی۔ صبح اسے اسکول جانا ہے۔''
''اسکول کھل گئے؟'' انہوں نے قدرے تعجب سے پوچھا۔
''جی کل سے کھل رہے ہیں۔'' اس نے بتایا اور ان کے خاموش رہنے پر پوچھا۔
''میں اس کا یونیفارم لے لوں.....؟''

"ہاں ہاں......!" وہ اپنے خیال سے نکل کر بولے۔ "بھجوا دو۔ روب ہی میں ہوگا۔ اور اس کے شوز وغیرہ۔"

"جی میں لے لیتی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی اندر چلی گئی اور کچھ دیر بعد نبیل کی ساری چیزیں لے کر نکلی تو بڑے بھیا وہاں موجود نہیں تھے۔ پتا نہیں کہاں چلے گئے تھے۔ وہ یونہی دیوار کے پاس رک کر باہر دیکھنے لگی تبھی عقب سے ان کی آواز سنائی دی۔

"مل گئے کپڑے......"

"جی......!" وہ نہ صرف چونکی بلکہ اس کا دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔ عجیب سا خوف محسوس ہوا جیسے بڑے بھیا انسان نہیں جن ہوں ادھر غائب ہوئے ادھر پھر حاضر۔ وہ ان کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے یونہی دھڑکتے دل کے ساتھ نیچے آئی تو میمونہ بھابھی چائے لیے اس کے کمرے میں موجود تھیں۔ دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"کہاں چلی گئی تھیں؟"

وہ فوراً جواب نہیں دے سکی۔ نبیل کا بیگ ریک پر رکھا پھر الماری کھول کر کپڑے ہینگر میں لٹکائے۔ اس کے بعد اُن کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میں اوپر گئی تھی۔ نبیل کی چیزیں لینے۔" پھر ایک دم ان کے ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔ "مجھے بڑے بھیا سے بہت ڈر لگا اتنے پر اسرار لگ رہے تھے۔"

"اس کا مطلب ہے، جلدی ان کی شادی کرانی پڑے گی۔" میمونہ بھابھی ہنستے ہوئے بولیں تو وہ ان کے ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ کو تو ہر وقت مذاق سوجھتا ہے۔"

"یہی تو مشکل ہے کہ تم لوگوں کو میری ہر بات مذاق لگتی ہے۔ حالانکہ میں بہت کم مذاق کرتی ہوں۔" میمونہ بھابھی ایک دم سنجیدہ ہو کر بولیں اور اس بار اسے ہنسی آ گئی۔

"واقعی......؟"

"جناب! ذرا بتاؤ بڑے بھیا کی شادی میں مذاق کی کیا بات ہے، ساری زندگی انہیں ایسے تو نہیں رہنا۔ ماشاء اللہ جوان جہان ہیں۔ دوسری بیوی آئے گی تو پہلی کا زخم بھرے گا۔ اور وہ یوں پر اسرار نظر نہیں آئیں گے۔"

میمونہ بھابھی باقاعدہ اسے لیکچر دینے بیٹھ گئیں اور کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھیں۔ تبھی وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

"یہ ضرور ہے کہ میری بات میں مزاح کا رنگ شامل ہوتا ہے لیکن وہ مذاق نہیں ہوتا۔ سمجھیں تم یا مزید سمجھاؤں۔"

"نہیں بس۔ آج کے لیے اتنا کافی ہے۔" وہ فوراً بول پڑی۔

"ٹھیک ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔" میمونہ بھابی اٹھتے ہوئے بولیں تو اس نے پہلے بے دھیانی میں سر ہلا کر گویا انہیں جانے کی اجازت دی لیکن پھر اچانک خیال آنے پر ان کا ہاتھ پکڑ کر روکتی ہوئی بولی۔

"اصل بات تو بتائیں کیا فیصلہ ہوا......؟"

"اتنی جلدی فیصلے نہیں ہوتے۔ ابھی تو سب اپنی اپنی رائے دے رہے تھے بس وہی بات کہ شاہ سکندر کے والدین کو آنا چاہیے یا اگر وہ بعد میں بھی نہیں مانے تو، وغیرہ وغیرہ....." میمونہ بھابھی نے کہا تو وہ پر سوچ انداز میں بولی۔

"یہ خدشہ تو مجھے بھی ہے۔"

"سب کو ہے سوائے عدیل کے نہ صرف شاہ سکندر کی پرزور حمایت بلکہ مسلسل سب کو قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔"

"عدیل بھائی۔ کیا کہہ رہے تھے؟" اس نے چونک کر پوچھا تو میمونہ بھابھی مسکرا کر بولیں۔

"وہی سب جو میں کہنا چاہتی تھی۔ یعنی اوّل تو شاہ سکندر کے والدین کی ناراضگی زیادہ دیر نہیں رہے گی۔ دوسری صورت میں کوئی خاص فرق تو نہیں پڑے گا کیونکہ شاہ سکندر یہاں سیٹ ہو رہا ہے، پھر آسیہ بھی پڑھی لکھی ہے دونوں اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔"

میمونہ بھابھی نے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر کہنے لگیں۔

"اس کے علاوہ جو ایک بات عدیل نے کہی اور جسے سن کر سب خاموش ہو گئے۔ وہ اس طرح سب کے سامنے میں نہیں کہہ سکتی تھی۔"

"کون سی بات.....؟" اس کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔ اور میمونہ بھابھی جیسے خود بھی حیران تھیں۔ ابھی بھی اسی حیرت سے بولیں۔

"کہہ رہا تھا۔ ان ساری باتوں سے زیادہ ہمیں آسیہ کی پسند اور خوشی کا خیال کرنا چاہیے۔ اب بتاؤ اسے کیسے پتا چلا کہ تمہاری پسند اور خوشی شاہ سکندر حیات ہے۔"

"میرے خدا!" اس کا دل رکنے لگا۔ کہ اس نے تو صرف میمونہ بھابھی اور سیما بھابھی کو شریک راز کیا تھا۔ پھر عدیل بھائی نے کیسے جان لیا اور سب کے سامنے کہہ بھی دیا۔ وہ کیسے سامنا کرے گی اماں جی اور ابا جی کا۔

✿ ✿ ✿

وہ احمد حسن کا انتظار کرتے کرتے اب بالکونی میں آ کر باقاعدہ اس کی راہ دیکھنے لگا تھا۔ دوپہر میں فون پر تو اس نے یہی کہا تھا کہ آفس کے بعد وہ سیدھا اس کے پاس آئے گا اور اب چھ بج رہے تھے۔ اسے تشویش ہونے لگی کیونکہ احمد حسن نہ تو لاپرواہ اور غیر ذمہ دار تھا اور نہ بھولنے والا۔ اگر کسی کام میں الجھ گیا ہوتا تب بھی اسے فون کر کے ضرور بتاتا۔ اس نے سوچا اسے خود ہی اس کے گھر فون کر کے معلوم کرنا چاہیے شاید وہ بھولنے کی غلطی کر گیا ہو۔

اس سوچ کے ساتھ ہی وہ اندر آیا تو پہلے تمام کمروں کی لائٹیں آن کیں پھر احمد حسن کے نمبر ڈائل کر رہا تھا کہ کال بیل بجنے لگی۔ اس نے فوراً فون رکھ دیا اور آ کر دروازہ کھولا تو سامنے عدیل کو دیکھ کر وہ پتا نہیں چونکا۔ حیران ہوا یا خوش۔ کچھ ملی جلی سی کیفیات تھیں جو غالباً ظاہر بھی ہو رہی تھیں جب ہی عدیل پوچھنے لگے۔

"کیا میری آمد غیر متوقع ہے.....؟"

"نہیں آیئے پلیز....." اس نے فوراً سنبھل کر خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں راستہ دیا تو اندر آتے ہی انہوں نے ایک طائرانہ نظر سے سارے گھر کا جائزہ لیا پھر قصداً بے نیاز سے ہو کر کہنے لگے۔

"ادھر سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے ملتا چلوں۔ ڈسٹرب تو نہیں کیا آپ کو؟"

"بالکل نہیں۔ آپ اطمینان سے بیٹھیں کیا پئیں گے چائے یا۔" شاہ سکندر کو حقیقتاً عدیل کی آمد خوشی کا ایک گونہ اطمینان دے گئی تھی۔

"چائے کون بنائے گا؟" عدیل نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

"میں خود۔"

"چلیں پھر کسی وقت خاص طور سے آپ کے ہاتھ کی چائے پینے آجاؤں گا۔" عدیل نے ایک طرح سے چائے کو منع کر دیا تو وہ پوچھنے لگا۔

"اس وقت کیوں نہیں؟"

"اصل میں، میں ابھی چائے پی کر آرہا ہوں۔ البتہ سگریٹ۔"

عدیل نے کہتے ہوئے اپنی جیب سے سگریٹ نکالنی چاہی، لیکن اسے پہلے ہی اس نے پیکٹ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"تھینک یو۔" عدیل ایک سگریٹ نکال کر سلگانے لگے تب ہی بیل کی آواز پر وہ ایکسکیوزمی کہہ کر دروازہ کھولنے چلا گیا۔ واپس آیا تو احمد حسن ساتھ تھا۔ وہیں سے اپنے دیر سے آنے کا سبب بتاتا ہوا آرہا تھا جب عدیل پر نظر پڑی تو ایک دم خاموش ہو گیا۔ پھر بڑھ کر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے دوبارہ مل کر۔ اور اب تو اکثر ملاقات رہے گی۔"

"انشاء اللہ۔" عدیل اپنی بے ساختگی پر خود ہی جز بز ہو کر رہ گئے جبکہ احمد حسن نے مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔

"تم عدیل صاحب کے پاس بیٹھو۔ میں چائے لاتا ہوں۔"

"خدا کے لیے میرے لیے مت لانا۔" احمد حسن اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "تم پانی میں زہر گھول کر دے دو۔ میں شوق سے پی لوں گا لیکن تمہاری چائے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" اس نے بری طرح احمد حسن کو گھور کر عدیل کی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ اپنی بات سنبھالتا ہوا بولا۔

"میرا مطلب ہے۔ تمہاری چائے اتنی عمدہ ہوتی ہے کہ ایک کپ سے دل نہیں بھرتا۔ اور تین چار کپ پینے کے لیے میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔"

عدیل بمشکل اپنی ہنسی روک پائے۔

"چلو پھر کسی وقت فرصت سے آنا۔ تب تمہیں۔"

"ہاں ہاں پھر کسی وقت....." احمد حسن جلدی سے بول پڑا پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس وقت تو تم اپنے کام کی بات سن لو۔ میں تمہارے لیے شورروم دیکھ آیا ہوں۔ تم کل گیارہ بجے میرے آفس آجانا تو میں ڈیلر سے تمہاری ملاقات کرادوں گا، باقی معاملات اس کے ساتھ تم خود طے کر لینا۔"

"اچھی بات ہے۔ ویسے شورروم میں کتنی گاڑیاں تھیں؟"

اس نے ہامی بھرتے ہوئے پوچھا تو احمد حسن ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے تین چار یا ہو سکتا ہے۔"

"خیر کل دیکھ لیں گے۔" اس نے عدیل کا خیال کر کے اس موضوع کو یہیں روک دیا تو احمد حسن بھی

اٹھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔
''مجھے اجازت دو۔ کل ملاقات ہوگی۔'' پھر عدیل کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔ ''او کے عدیل بھائی آپ سے تو انشاء اللہ ملاقات رہے گی۔''

''جی۔'' اس بار عدیل بس اس قدر کہہ سکے۔

پھر جب وہ احمد حسن کو رخصت کر کے دوبارہ آ کر بیٹھا تو عدیل اس سے کہنے لگے۔

''آپ نے اچھے بزنس کا انتخاب کیا ہے ابتداء میں تھوڑی مشکل تو ہوگی، لیکن جلدی سیٹ ہو جائیں گے۔''

''میں بھی جلدی سیٹ ہونا چاہتا ہوں۔'' اس نے بے اختیار کہا تو جواباً عدیل کا جملہ بھی بے ساختہ تھا۔

''تا کہ چائے بنانے سے جان چھوٹے۔''

وہ قدرے خجل سا ہو کر ہنس پڑا۔ تو عدیل نے بغور اسے دیکھا پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر اصل موضوع چھیڑتے ہوئے کہنے لگے۔

''آپ جانتے ہیں شاہ سکندر! ہماری ایک ہی بہن ہے۔ اچھی تربیت کے ساتھ ہم نے اسے بہترین تعلیم دلائی اور آئندہ بھی اس کے لیے بہتری کی خواہش رکھتے ہیں۔ اس کے لیے آپ ہمیں کیا ضمانت دیں گے۔''

''آپ کیسی ضمانت چاہتے ہیں آئی مین شخصی مالی یا......'' عدیل کو نفی میں سر ہلاتے دیکھ کر اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد عدیل کہنے لگے۔

''مجھے صرف اپنی بہن کی خوشیوں کی ضمانت چاہیے اور خوشیاں ان ضمانتوں کی مرہون منت نہیں ہوتیں جن کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ زندگی میں نشیب و فراز تو آتے ہیں۔ ساری عمر بندہ صرف چھاؤں میں نہیں بیٹھ سکتا نہ صرف دھوپ میں۔ دھوپ چھاؤں کے سنگم سے ہی زندگی کا حسن نکھرتا ہے۔

جہاں تک شخصی ضمانت کی بات ہے تو اپنی ضمانت آپ خود ہیں۔ دوسرے یہاں کوئی کاروبار نہیں ہو رہا جو میں آپ سے مالی ضمانت طلب کروں۔ شادی ایک مقدس بندھن ہے اور مجھے اس بندھن کی مضبوطی و پائیداری کا یقین چاہیے کیونکہ میرے نزدیک آپ کا گھر بار، دھن دولت چھوڑ آنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اکثر انسان جذبات میں ایسے فیصلے کر گزرتا ہے لیکن بعد میں پچھتاوے صرف عورت کے حصے میں آتے ہیں''

عدیل ذرا دیر کو خاموش ہوئے تھے کہ وہ بول پڑا۔

''میرا فیصلہ جذباتی نہیں ہے۔ نہ ہی میں اپنے گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آیا ہوں لیکن یہ طے ہے کہ میں وہاں اسی وقت جاؤں گا جب میری بیوی کو اس گھر میں وہی مقام دینے کا اعلان ہوگا جو اس گھر کی دوسری بہوؤں کا ہے۔

''رہی بندھن کی مضبوطی و پائیداری کی بات تو اس کے لیے میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔ لکھ کر دوں یا میری زبان پر بھروسہ کر لیں گے آپ؟''

آخر میں وہ بڑی بے تاب نظروں سے انہیں دیکھنے لگا جیسے فوراً جواب سننا چاہتا ہو۔ اور اس پل عدیل کو اس کے جذبوں کی سچائیوں کا نہ صرف اندازہ ہوا بلکہ ایمان بھی لانا پڑا تو قدرے توقف سے مسکرا کر بولے تھے۔

''مجھے یقین مل گیا ہے۔''

وہ کتنی دیر سے نائلہ کی خوشامد کر رہا تھا کہ فون پر آسیہ کو بلا دے۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن نائلہ مان کے نہیں دے رہی تھی۔ مقصد محض اسے تنگ کرنا تھا۔ اور احمد حسن نے پہلے تو نائلہ کا ساتھ دیا پھر اس پر رحم کھاتے ہوئے بولا۔

"بے چارے کو اس کی آواز سنوا دو نائلہ! ورنہ رات بھر جاگتا رہے گا۔"

"اچھا ہے جاگتے رہیں۔" نائلہ نے لاپروائی سے کہا تو وہ احمد حسن کو دیکھ کر بولا۔

"یہ نہیں مانے گی۔"

"تو یار! تم خود ٹرائی کر لو ناں۔ کیا پتا قسمت یاوری کر جائے اور ادھر سے وہی ریسیو کریں۔"

احمد حسن نے کچھ جھنجلا کر مشورہ دیا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"اوکے میں چلتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" احمد حسن سمجھا۔ وہ ناراض ہو گیا۔ "کیا میں نے کوئی غلط بات کی ہے۔"

"نہیں بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ میں خواہ مخواہ اتنی دیر سے اس لڑکی کی خوشامد کر رہا ہوں۔" اس نے نائلہ کو دیکھ کر کہا۔

"تو جا کہاں رہے ہو؟"

"تمہارے مشورے پر عمل کرنے، یعنی گھر بیٹھ کر اطمینان سے ٹرائی کروں گا۔"

"وہ ملیں گی نہیں۔" اس کی مسکراہٹ پر نائلہ نے جل کر کہا تو وہ اسے مزید چڑا کر بولا۔

پہلی بار میں نہیں ملیں گی اور مجھے افسوس ہے تم نے چانسز کا بڑا اچھا موقع گنوا دیا۔

"میں رشوت کو حرام سمجھتی ہوں۔" نائلہ کہتی ہوئی جلدی سے کمرے سے نکل گئی تو اس کے ساتھ احمد حسن کا قہقہہ بھی بے ساختہ تھا۔

پھر اپنے اپارٹمنٹ میں آتے ہی۔ وہ آسیہ کے نمبر ڈائل کرنے لگا اور یہ سلسلہ رات تک چلتا رہا کیونکہ دوسری طرف کبھی میمونہ بھابھی فون اٹھاتی تھیں کبھی عدیل اور ایک بار ابا جی کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ جس کی آواز سننا چاہتا تھا وہ پتا نہیں کہاں تھی۔ اسے سچ مچ اس پر غصہ آنے لگا کہ وہ اتنی بے خبر کیوں ہے۔ فون کی بیل پر اسے یہ گمان کیوں نہیں ہوتا کہ کوئی اسے پکار رہا ہے۔ اور اسی کیفیت میں وہ ایک بار پھر نمبر ڈائل کرنے لگا جب دوسری طرف اس کی آواز سنائی دی تو وہ بے اختیار چیخ پڑا۔

"کہاں ہو تم میں اتنی دیر سے تمہیں۔" غالباً سوچ کے مطابق کہنے جا رہا تھا "پکار رہا ہوں۔" کہ احساس ہونے پر خاموش ہو گیا۔

"میں جانتی ہوں آپ بہت دیر سے فون کر رہے ہیں اور میں ریسیو اس لیے نہیں کر سکی کہ ابا جی اور امی جی برآمدے میں بیٹھے تھے۔" اس نے مجبوری بتائی تو وہ پوچھنے لگا۔

"کیوں ان کی طرف سے کوئی پابندی ہے؟"

"اس کا جواب دینے سے پہلے میں یہ پوچھوں گی کہ جب ابا جی نے فون اٹھایا تھا تو آپ نے ان سے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ آپ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ فوراً فون بند کیوں کر دیا؟"

ادھر سے براہ راست جواب نہ دے کر بھی جواب آیا تو وہ جو پہلے ہی اس کی ذہانت کا قائل تھا۔ مسکرا کر بولا۔

''میں تم سے نہیں جیت سکتا۔''

''ایسی کوئی خواہش ہو تو بتائیں۔'' آسیہ کی آواز میں ہلکی سی شوخی تھی۔

''اوں ہوں۔ میں تم سے ہار کر خوش رہتا ہوں۔''

''بس کریں شاہ سکندر! کہیں میں خود کو بہت بلندیوں پر نہ محسوس کرنے لگوں۔ جس مقام پر ہوں۔ مجھے وہیں رہنے دیں۔'' اس کے لہجے کی انکساری پر وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا پھر پکار کر بولا۔

''سنو آسیہ! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں منع نہیں کرنا، کل دن میں کسی وقت۔''

''لیکن.....'' وہ بوکھلا گئی۔

''کوئی مشکل نہیں ہے میں گیارہ بجے تمہارے قریبی اسٹاپ پر انتظار کروں گا۔''

وہ غالباً تہیہ کر چکا تھا کہ اس کا کوئی عذر نہیں سنے گا جب ہی اسے مشکل میں ڈال کر سلسلہ منقطع کر دیا اور پھر اس کی بوکھلاہٹیں سوچ سوچ کر مسکراتا رہا تھا۔

اور اس کے نہ آنے کا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اس کے برعکس پختہ یقین کے ساتھ اگلے روز مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پہنچ گیا اور اسے زیادہ انتظار بھی نہیں کرنا پڑا۔ دس منٹ بعد ہی وہ اسے دور سے آتی ہوئی نظر آ گئی۔ ہمیشہ پر اعتماد نظر آنے والی اس وقت بہت محتاط ہو کر چل رہی تھی۔ وہ اس کا ایک ایک قدم گنے لگا تو جانے کیوں اسے یوں محسوس ہوا جیسے درمیانی فاصلہ بجائے سمٹنے کے بڑھتا جا رہا ہو۔ تب فوراً سر جھٹک کر اس نے اسپیڈ سے گاڑی بھگا کر اس کے قریب جا روکی تو وہ اچھل کر ایک طرف ہو گئی پھر جب اسے دیکھا تو یوں سر ہلایا جیسے اس کی حرکت کو نامناسب قرار دیا ہو۔

''سوری!'' وہ اس کی طرف کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔ ''میرا مقصد تمہیں ہراساں کرنا نہیں تھا۔''

''کیسے ہیں آپ.....؟'' وہ اس کی بات یکسر نظر انداز کر گئی۔

''آس و نراش کی کیفیت میں ہوں۔'' اس نے کہا تو وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپا نہیں سکی۔ جس پر وہ روٹھے لہجے میں بولا۔

''بڑے افسوس کی بات ہے تمہیں مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ نہ میری پرواہ ہے۔''

''پروا نہ ہوتی تو آتی کیوں؟''

وہ کہہ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی تو اسے متوجہ کرنے کی خاطر وہ پوری اسپیڈ سے گاڑی دوڑانے لگا۔ لیکن اس کی یہ ترکیب کامیاب نہیں ہوئی کیونکہ وہ بڑے سکون سے بیٹھی رہی تھی۔

''مان لیا تمہیں خود پر بڑا اختیار ہے۔'' ریسٹورنٹ کے خوبصورت ماحول میں بیٹھتے ہی وہ اس کے کمال ضبط کو سراہ کر کہنے لگا۔ ''اچھی بات ہے لیکن پلیز تھوڑی دیر کے لیے خود کو ان دیکھی بندشوں سے آزاد کر دو۔ میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں نے آپ کو منع تو نہیں کیا۔'' وہ قصداً مسکرائی تو کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھنے کے بعد وہ پوچھنے لگا۔

''تمہیں پتا ہے ابھی دو تین روز پہلے عدیل بھائی میرے پاس آئے تھے؟''

''اچھا!'' اسے جیسے حیرت ہوئی۔

''ہوں۔'' وہ پر سوچ انداز میں سر ہلا کر کہنے لگا۔ ''تمہارے گھر والوں کے خدشات اپنی جگہ درست

ہیں۔ کوئی بھی شخص ایسے حالات میں بہت سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کرے گا۔ گو کہ عدیل بھائی میرے پاس سے بہت مطمئن ہو کر گئے تھے پھر بھی میں خاصا پریشان سا ہوں۔"

"کیوں.....؟" وہ اسے الجھتے دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں۔" اس نے ذرا سے کندھے اچکا کر گویا اپنی بے بسی کا اظہار کیا تو وہ فوراً کچھ نہیں بولی۔ ٹرے اپنی طرف کھینچ کر چائے پیالیوں میں ڈالنے لگی، پھر ایک کپ اس کے سامنے رکھا اور اپنے کپ میں چمچ چلاتے ہوئے بولی۔

"کیا مجھے ہمیشہ آپ ہی کی بات دہرانی پڑے گی۔ کہ میرے دل میں آپ اس مقام پر فائز ہو چکے ہیں جہاں اس سے پہلے کوئی تھا نہ آئندہ کوئی ہوگا۔"

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ اور وہ یونہی سر جھکائے دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔

"جس یقین سے آپ نے کہا تھا اسے ٹوٹنا نہیں چاہئے شاہ سکندر! کہ اسی یقین پر میں نے اپنے دل کی زمین پر آپ کے نام کا پہلا بیج بویا تھا اور پھر ہر روز ایک نیا بیج اس یادگار کے نام کرتی گئی۔ اب تو آپ شمار بھی نہیں کر سکتے کہ میرے دل کی زمین پر یہاں سے وہاں تک کتنے پھول کھلے ہیں۔ جن کی ہر پتی پر آپ کا نام ہے اور اس پھولوں کی بستی کو اجاڑنے کی سعی وہی کر سکتا ہے جسے مجھ سے، میری زندگی سے پیار نہ ہو۔"

شاہ سکندر کو اپنے دل سے بوجھ سرکتا محسوس ہوا اور ہونٹوں پر کھیلتی مسکراہٹ لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

✿.....✿.....✿

اس نے اماں جی سے تو کالج میں کسی کام کا بہانا کیا تھا لیکن میمونہ بھابھی کو بتا کر گئی تھی کہ وہ شاہ سکندر کے بلانے پر جا رہی ہے۔ اس لیے دیر ہو جانے پر بھی اطمینان سے تھی کہ میمونہ بھابھی نے اماں جی کا دھیان ادھر ادھر لگا دیا ہوگا اور وہی ہوا۔ اماں جی نے اس سے پوچھا ہی نہیں کہ اتنی دیر کیوں ہوئی الٹا کہنے لگیں۔

"پتا نہیں کب تمہاری کالج سے جان چھوٹے گی۔ اتنا ہلکان ہوتی ہو۔ جاؤ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ۔"

"آپ نے کھا لیا.....؟" اس نے میمونہ بھابھی کی معنی خیز مسکراہٹ سے نظریں چرا کر پوچھا۔

"ہاں میں نے تو کھا لیا البتہ دلہن بچوں کا انتظار کر رہی ہے۔"

"کیا مطلب، بچے ابھی تک اسکول سے نہیں لوٹے؟" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے تعجب سے کہا۔

"دو بج گئے۔ کیوں بھابھی ابھی تک آئے کیوں نہیں۔"

"پتا نہیں۔ مجھے لگتا ہے راستے میں کہیں وین خراب ہو گئی ہو گی۔" میمونہ بھابھی نے پہلے لاعلمی کا اظہار پھر قیاس کیا جس پر وہ پوچھنے لگی۔

"پہلے بھی کبھی ایسا ہوا ہے؟"

"اکثر، اماں جی سے پوچھو، ہفتے میں ایک بار تو ضرور ان کی وین خراب ہوتی ہے۔"

"تو آپ ان کے اسکول جا کر بات کریں۔ یہ تو کوئی طریقہ نہیں ہے، بچے بیچارے پریشان ہو جاتے ہوں گے میں خود....."

سونیا کی آواز پر اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ وہیں سے چلاتی ہوئی آ رہی تھی۔

"امی..... پھوپھو.....؟" پھر کمرے میں آ کر پھولی سانسوں کے ساتھ بولی۔ "وہ ناں نبیل بھائی، وہ

ہمارے ساتھ نہیں آئے۔"

"کیا؟" وہ چیخ پڑی۔ "کہاں ہے نبیل؟"

"پتا نہیں۔" اس کی چیخ پر سونیا سہم گئی اور میمونہ بھابھی کی ٹانگوں میں چھپنے کی کوشش کرنے لگی، تو اچانک کسی خیال کے تحت اس نے گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ باہر ڈرائیور احمر سے پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا وہ اس کے سر پر جا کھڑی ہوئی۔

"نبیل کہاں ہے.....؟"

"پتا نہیں بی بی! اسکول میں تو نہیں ہے۔ میں نے سارا اسکول چھان مارا۔" ڈرائیور نے حد درجہ عاجزی دکھائی لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا ہنوز تیکھے لہجے میں بولی۔

"اسکول میں نہیں ہے تو پھر کہاں ہے۔ صبح تم نے اسے کہاں چھوڑا تھا۔"

"صبح تو جی اسکول میں ہی چھوڑا تھا۔ آپ ان بچوں سے پوچھ لیں۔"

"تم نے پرنسپل سے معلوم کیا.....؟" اس کے جارحانہ انداز میں اندرونی اضطراب بھی شامل ہو گیا تھا۔

"جی بی بی" نبیل کی مس کہہ رہی تھیں کہ چھٹی میں وہ ان کے سامنے نکلا ہے۔ لیکن بی بی! وہ وین میں آ کر نہیں بیٹھا پتا نہیں کس طرف؟"

ڈرائیور اپنی غفلت پر سخت پشیان اور گھبرایا ہوا تھا لیکن وہ اس سے کوئی رعایت برتنے کو تیار نہیں تھی تبھی گیٹ کے اندر سے اماں جی نے اسے پکار لیا۔

"اماں جی! پوچھیں اس سے نبیل کو کہاں چھوڑ آیا ہے؟"

اندر آتے ہی وہ بے قابو ہو گئی تو میمونہ بھابھی اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آئیں اور زبردستی بٹھاتے ہوئے بولیں۔

"آ جائے گا نبیل۔ تم پہلے اپنے حواس پر قابو پاؤ پھر سوچو کہ وہ کہاں جا سکتا ہے۔" میمونہ بھابھی نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر کہا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی پھر فوراً نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"وہ ابھی اتنا بڑا نہیں ہوا کہ خود کہیں جا سکے؟"

"لے جایا تو جا سکتا ہے اور ایک ہی ہستی لے جا سکتی ہے۔" میمونہ بھابھی کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

"نبیلہ بھابھی۔" اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی اور بے حد خاموش نظروں سے وہ دیکھنا میمونہ بھابھی کو چاہتی تھی لیکن دروازے سے داخل ہوتی اماں جی سامنے آ گئیں۔ بے حد مضمحل جیسے ابھی ڈھے جائیں گی۔

"اماں جی" وہ سارے حوصلے یکجا کر کے ابھی اور بڑھ کر اماں جی کو تھام لیا پھر انہیں بٹھا کر بولی۔ "پریشانی کی بات نہیں ہے اماں جی! میں ابھی عدیل بھائی کو فون کرتی ہوں۔ وہ آتے ہوئے نبیل کو لیتے آئیں گے۔"

"کہاں سے لے آئے گا.....؟"

"وہ....." اس نے سٹپٹا کر میمونہ بھابھی کو دیکھا تو وہ اماں جی کے پاس بیٹھتے ہوئے اس سے بولیں۔

"تم جاؤ کھانا کھاؤ، احمر اور سونیا کو بھی کھلاؤ۔"

پھر انہوں نے اسے "میں سنبھال لوں گی۔" کا اشارہ کیا تب کچن میں آ کر اس نے کھانا نکالا لیکن

اس کا اپنا بالکل دل نہیں چاہا کھانے کو۔ امبر اور سونیا کو آرام سے کھانے کی تاکید کرتی ہوئی لابی میں آ کر سوچنے لگی کہ کسے فون کرے۔ عدیل بھائی یا بڑے بھیا کو۔

اور ابھی فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اپنے پیچھے بہت ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی تو یونہی اپنے خیال میں رہ کر اس نے پیچھے گردن موڑی اور نبیل کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں سے چیخ نما آواز بلند ہونا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی اس نے اپنی آواز کا گلا گھونٹ دیا البتہ بے اختیار چھلک آنے والے آنسوؤں کو نہیں روک سکی اور بڑھ کر نبیل کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر اس کے سر پر کبھی اپنی پیشانی ٹکاتی کبھی ہونٹ۔ گو کہ وہ اس کی ماں نہیں تھی لیکن اس وقت اس کے احساسات ایسے ہی ہو رہے تھے۔ جیسے کسی ماں کو اس کا کھویا ہوا بچہ مل گیا ہو۔ جب تڑپتے ہوئے دل کو کسی حد تک قرار آ گیا تب فرش پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھی اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پوچھنے لگی۔

"کہاں چلے گئے تھے؟"

نبیل چپ چاپ اس کے بھیگے ہوئے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"کس کے ساتھ آئے ہو، کون چھوڑ گیا ہے تمہیں......؟"

نبیل کی خاموشی نہیں ٹوٹی تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اماں جی کے کمرے میں لے آئی اور اسے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

"نبیل آ گیا ہے اماں جی......؟"

اماں جی اور میمونہ بھابھی نے ایک ساتھ چونک کر دیکھا پھر اماں جی نے لپک کر نبیل کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور اس سے پہلے کہ اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کرتیں۔ وہ اس کا دفاع کرتے ہوئے بولی۔

"اماں جی! ابھی بچہ ہے، نا سمجھ ہے کہیں ادھر ادھر چھپ گیا ہوگا۔"

"ارے ہماری تو جان نکال کے رکھ دی۔" اماں جی کہتے ہوئے نبیل کو جھنجھوڑنے لگیں۔ "کہاں رہ گیا تھا رے تیرا باپ آ جاتا تو میں کیا جواب دیتی اسے؟"

"چھوڑیں اماں جی! میں سمجھاتی ہوں اسے۔ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ نبیل! تم کمرے میں جاؤ......"

اس نے نبیل کو الگ کر کے جانے کو کہا پھر اماں جی کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اس طرح نہیں کریں اماں جی، وہ پہلے ہی سہما ہوا ہے اور ڈر جائے گا۔ میں آرام سے اس سے معلوم کروں گی۔ میرا خیال ہے نبیلہ بھابھی اسے اپنے ساتھ لے گئی تھیں اور شاید وہی چھوڑ گئی ہیں۔"

اماں جی یوں پریشان ہو گئیں جیسے قیامت آئی نہیں تو آنے والی ہو۔

"پریشانی کی بات نہیں ہے اماں جی۔" وہ انہیں سمجھاتے ہوئے کہنے لگی۔ "وہ نبیل کی ماں ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی انہیں نبیل سے ملنے سے نہیں روک سکتا۔"

"تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن انہیں اس طرح بغیر بتائے نبیل کو نہیں لے جانا چاہیے تھا۔ کتنے پریشان ہوئے ہم لوگ۔" میمونہ بھابھی نے کہا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"ہاں۔ یہ بات ان سے کہلوائی جا سکتی ہے۔ کوئی دن یا وقت جو بھی ہو طے کر لیں اور یہ معاملات تو بڑے بھیا ہی طے کر سکتے ہیں۔"

وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور جانے لگی کہ اچانک خیال آنے پر رک کر پوچھا۔ "ابا جی کہاں ہیں......؟"

''تمہارے چچا نے بلوا بھیجا تھا وہیں گئے ہیں۔''

''خیریت.....؟''

''آئیں گے تو خیریت معلوم ہو گی۔''

اماں جی کے جواب پر وہ یونہی سر ہلاتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی اور گو کہ اس کا اپنا دل یہ چاہ رہا تھا کہ فوراً نبیل سے ساری بات معلوم کرے کہ وہ کس کے ساتھ گیا آیا اور نبیلہ بھابھی نے اس سے کیا باتیں کیں وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے یہ ایک فطری تجسس تھا لیکن وہ فوراً خود کو باز رکھتے ہوئے کچن میں آ کر کھانا گرم کرنے لگی، کیونکہ ابھی میمونہ بھابھی نے بھی نہیں کھایا تھا۔ پھر اس نے وہیں سے انہیں پکار لیا۔

''سچ بہت بھوک لگی ہے۔'' میمونہ بھابھی آتے ہی شروع ہو گئیں۔

''ہاتھ تو دھو لیں اور چلیں ادھر برآمدے میں بیٹھتے ہیں۔'' اس نے ٹرے اٹھانی چاہی لیکن میمونہ بھابھی روکتے ہوئے بولیں۔

''بس یہیں ٹھیک ہے، تم بیٹھنا چاہو تو اسٹول کھینچ لو۔''

''اف پتا نہیں کب سے بھوکی ہیں؟'' اس نے اسٹول کھینچ کر انہیں بٹھا دیا اور خود کھڑے کھڑے کھانے لگی۔

''نبیل کو کھلا دیا.....؟'' میمونہ بھابھی کو اچانک خیال آیا تو ہاتھ روک کر پوچھا۔

''نہیں۔ میں ابھی اس کے پاس نہیں گئی اور کھانا تو اسے نبیلہ بھابھی نے کھلا دیا ہو گا۔''

''وہ تمہاری بھابھیوں کی لسٹ سے خارج ہو چکی ہیں۔'' میمونہ بھابھی نے احساس دلایا تو وہ دکھ سے بولی۔

''برسوں کی عادت چند دن میں کیسے چھوٹ جائے گی پھر میں انہیں صرف نبیلہ بھی نہیں کہہ سکتی ایسے میرا خیال ہے بھابھی کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔''

آخر میں اس نے جیسے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا پھر ہاتھ دھو کے کیتلی اٹھاتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ''چائے پئیں گی آپ.....؟''

''بنا رہی ہو تو پی لوں گی۔'' میمونہ بھابھی بقیہ روٹی دسترخوان میں لپیٹتی ہوئی بولیں پھر ٹرے ایک طرف رکھ کر دوبارہ بیٹھیں تو اپنے مخصوص انداز میں شروع ہو گئیں۔

''جان میں جان آ گئی۔ دماغ بھی فریش ہو گیا ہے اب مزہ آئے گا تم سے بات کرنے میں۔ بھوک میں تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ خیر اب تم جلدی سے بتاؤ، کیا باتیں ہوئیں شاہ سکندر سے.....؟''

''جی نہیں۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' وہ ان کے انداز پر ہنستے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے۔ وہ جو آج اماں جی اور ابا جی اپنی منظوری دینے کے لیے شاہ سکندر کے عزیزوں کو بلوانے کی باتیں کر رہے تھے تو میں منع کر دیتی ہوں اماں جی کو کہ اتنی جلدی نہ کریں۔ تم ہم پر بھاری تھوڑی ہو۔''

میمونہ بھابھی نے بڑی بے نیازی سے اسے اس کی خوشیوں کی نوید دی اور وہ اپنی جگہ اچھل پڑی۔

''کیا کہا بھابھی آپ نے، کیا باتیں کر رہے تھے ابا جی اور اماں جی؟''

''جی نہیں۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔''

میمونہ بھابھی نے فوراً بدلہ لیا تبھی اندر سے عمر کے رونے کی آواز آئی تو ''میرا لال اٹھ گیا'' کہتی ہوئی کھڑی ہو گئیں پھر جاتے جاتے اسے دیکھ کر شرارت سے بولیں۔

"جمعہ کا دن طے ہوا ہے۔ تمہاری بات پکی کرنے کے لیے۔"

"اپنی چائے تو لیتی جائیں۔" ان کی عجلت پر اس نے جلدی سے مگ اٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ جسے لے کر وہ اندر چلی گئیں۔ اپنے پیچھے اس کے لیے سوچنے کو زندگی کا خوبصورت موڑ چھوڑ گئی تھیں۔ ان ہی سوچوں کے دھارے پر بہتی وہ اپنے کمرے میں آئی تو نبیل کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ وہ اپنی جگہ بیٹھا دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اپنی آنکھوں کے سامنے پھیلائے جانے کس سوچ میں تھا۔ اس کے ہونٹ ساکت تھے اور نظریں ہتھیلیوں پر جمی ہوئیں۔ وہ کچھ سمجھ نہیں سکی تو اس کے پاس آ کر بیٹھی اور آہستہ سے اس کی کلائیاں تھام کر پوچھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہے ہو بیٹا......"

نبیل نے اپنی ہتھیلیاں اس کے سامنے پھیلا دیں تو ان پر نظر ڈالنے کے بعد وہ قدرے الجھ کر بولی۔

"کیا ہوا ہے مجھے تو کچھ نظر نہیں آ رہا۔"

پھر یونہی اپنے ہونٹوں سے اس کی ہتھیلیوں کو چوما تو وہ بے چین سا ہو کر اٹھ بیٹھا پھر ایک دم اس کی گردن میں بازو ڈال کر اس سے لپٹ گیا تو اس محبت اور والہانہ انداز پر اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا اور جواباً اسے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

نبیل اسے چھوڑنے پر آمادہ ہی نہیں تھا۔ کتنی دیر بعد اس نے بہت آہستہ سے اسے خود سے الگ کیا اور ہتھیلیوں سے آنکھیں صاف کر رہی تھی کہ وہ کہنے لگا۔

"پھوپھو! میں ممی کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اسکول آئی تھیں مجھے لینے۔"

وہ فوراً ہاتھ نیچے گرا کر اسے دیکھنے لگی۔

"ممی کہہ رہی تھیں وہ یہاں نہیں آ سکتیں۔ پھر ممی رو رہی تھیں آپ کی طرح۔ انہوں نے میرے ہاتھوں کو چوما، اور آنکھوں سے لگایا تھا۔ پتا نہیں وہ کیوں رو رہی تھیں۔ آپ کیوں رو رہی ہیں پھوپھو۔"

وہ جس سادگی سے بول رہا تھا اسی سادہ معصوم انداز میں پوچھا تو وہ بس ذرا سا نفی میں سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

⁂

شام میں اماں جی نے سب کے سامنے نبیلہ کا اسکول سے نبیل کو لے جانے کا بتایا تو ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بڑے بھیا کے ساتھ عدیل بھائی بھی غصے میں آ گئے تھے اور نبیلہ کے اس اقدام میں کوئی انتقامی پہلو تلاش کر رہے تھے۔ غالباً ان کے خیال میں وہ عورت محبت کے ہاتھوں تو مجبور ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ یقیناً اس کے ارادے خطرناک ہوں گے۔

"نبیل ہے کہاں؟ میں اس سے پوچھتا ہوں کہ وہ کس کی اجازت سے اس کے ساتھ گیا تھا۔"

بڑے بھیا کا بقیہ غصہ اب نبیل کی طرف منتقل ہونے والا تھا کہ ابا جی فوراً ٹوک کر بولے۔

"نہیں بیٹا! اس میں بچے کا کوئی قصور نہیں۔ اس نے ماں کو دیکھا اور اس کے ساتھ چلا گیا تم اگر روک سکتے ہو تو اس کی ماں کو روکو۔"

"اس طرح تو وہ اور ضد میں آ جائے گی۔" بڑے بھیا۔ ابا جی کی بات سمجھتے ہی اپنی بے بسی پر تلملائے۔

"اسی لیے غصے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ آرام سے ٹھنڈے دماغ سے بیٹھ کر سوچو۔ اس طرح غصے میں تم اپنا ہی نقصان کرو گے۔"

ابا جی نے نرمی سے ان کا کندھا سہلاتے ہوئے سمجھایا تو وہ جیسے ٹوٹ گئے۔

"میں کیا کروں ابا جی! میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ بتائیے وہ جب تک یہاں تھی اسے نبیل کی پرواہ نہیں تھی۔ اب کیسے وہ؟"

"حوصلے سے بیٹا! حوصلے سے۔" ان کی آواز بھرانے پر ابا جی نے پھر انہیں سہارا دیا۔ "اپنے آپ پر قابو رکھو اور اس بات کو زیادہ اہمیت مت دو۔"

"کیسے نہ دوں۔"

"مصلحت کا تقاضا یہی ہے ابھی تم نے جو خود کہا کہ منع کرنے سے وہ اور ضد میں آجائے گی۔ اسے ضد مت دلاؤ۔ ضدی عورت بڑی خطرناک ہوتی ہے کسی کو نقصان پہنچانے کی ٹھان لے تو پھر اپنا نفع نقصان نہیں سوچتی۔"

وہ باتیں جو کتابیں نہیں سکھاتیں ابا جی اپنے پڑھے لکھے بیٹوں کو سمجھا رہے تھے۔

"پھر وہ کوئی جاہل گنوار عورت نہیں ہے جسے تم ڈرا دھمکا سکو۔ پڑھی لکھی ہے۔ اگر اس نے ماں کا حق استعمال کرلیا تو پھر نبیل کو یہاں سے لے جانے سے اسے کوئی نہیں روک سکے گا اس لیے بہتر یہی ہے کہ خاموشی اختیار کرلو بلکہ ڈھیل دے دو اسے کہ وہ جب چاہے نبیل سے مل لے البتہ یہ ضرور طے ہونا چاہیے کہ وہ کب کس وقت اسے لے جائے گی تاکہ یہاں کسی کو پریشانی نہ ہو..... سمجھ رہے ہو ناں۔"

بڑے بھیا جو ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہے تھے پہلے اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگے۔

"لیکن ابا جی! میں نہیں چاہتا۔ نبیل اس سے ملے۔"

"یہ سلسلہ زیادہ عرصہ نہیں چلے گا بیٹا! اس کا مقصد صرف تمہیں پریشان کرنا ہے۔ جب وہ دیکھے گی کہ تم نے کوئی نوٹس نہیں لیا تب خود ہی پیچھے ہٹ جائے گی۔"

ابا جی نے کہا تو عدیل بھائی فوراً ان کی تائید کرتے ہوئے بولے۔

"ابا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں بڑے بھیا۔ ان کا مقصد صرف آپ کو پریشان کرنا ہے۔ نبیل سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں بس آپ ایک بار ان سے رابطہ کر کے نبیل سے ملنے کے اوقات طے کرلیں۔ اس کے بعد نبیل کو ان کے پاس لے جانے، لانے کی ذمہ داری میری ہوگی۔"

"ہوں یہ ذمہ داری تو تمہیں قبول کرنی ہوگی کیونکہ میں....."

بڑے بھیا جانے کیوں خاموش ہو گئے پھر کن انکھیوں سے خاموش بیٹھی اماں جی کو دیکھ کر اپنے تئیں آواز دبا کر بولے۔

"میں باہر جا رہا ہوں ابا جی....."

"ہاں....." اماں جی نے پھر بھی سن لیا۔ "باہر کا ہے کو جا رہے ہو؟"

"ظاہر ہے روزگار....."

"یہاں بے روزگار تو نہیں ہو۔" اماں جی نے ان کی بات پوری نہیں ہونے دی اور وہ اس وقت مزید کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے اٹھتے ہوئے بولے۔

"ابا جی! میں پھر بات کروں گا۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی۔ ماشاء اللہ یہیں اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔" اماں جی اپنی کہے

جارہی تھیں۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئے تب ابا جی ٹوکتے ہوئے بولے۔

"بس کرو۔ وہ کون سا ابھی جارہا ہے۔"

"ابھی نہ کبھی، سمجھا دیں اسے۔"

"سمجھا دوں گا تم نہ جی ہلکان کرو بلکہ اس کا گھر بسانے کی سوچو۔ کیوں عدیل میاں.....؟" ابا جی نے اچانک عدیل کو مخاطب کیا تو وہ چونک کر بولے۔

"جی..... جی ابا جی۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ.....؟"

"کیا ٹھیک کہہ رہا ہوں.....؟" ابا جی سمجھے عدیل نے ان کی بات سنی ہی نہیں اور یونہی تائید کر رہے ہیں۔

"وہی بڑے بھیا کی شادی، میرا خیال ہے آسیہ کے ساتھ ساتھ ان کا گھر بھی بس جائے تو اچھا ہے۔"

عدیل نے حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشورہ بھی دے ڈالا پھر اماں جی سے کہنے لگے۔

"آپ کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے اماں جی! سیما بھابھی اور میمونہ بھابھی جیسی ان کے لیے بھی لے آئیں۔ پھر وہ باہر نہیں جائیں گے۔"

اماں جی کے چہرے پر مسکراہٹیں دوڑنے لگیں۔

"سوچ تو میں بھی کئی دنوں سے رہی ہوں اور میری نظر میں ایک لڑکی ہے بھی۔"

"کون.....؟" ابا جی فوراً متوجہ ہوئے۔

"سائرہ..... آپ کی بھتیجی۔" اماں جی نے بتایا تو ابا جی یوں مطمئن ہو گئے جیسے ان کے دل کی بات کہہ دی گئی ہو۔ جبکہ عدیل برملا خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے۔ بڑے بھیا کے لیے سائرہ جی بہت مناسب ہیں۔ بس آپ پہلی فرصت میں جا کر بات کریں۔"

"میں تو آج جانے کو تیار ہوں لیکن تمہارے بھائی کا تو پتا چلے۔ وہ کیا چاہتا ہے اور ادھر سائرہ کے لیے پتا نہیں تمہارے چچا نے کیا سوچ رکھا ہے۔ ایک جگہ بات چل تو رہی تھی اس کی۔"

اماں جی نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا پھر ابا جی سے پوچھنے لگیں۔

"آپ آج گئے تھے۔ کچھ بتایا ضیاء نے سائرہ کے رشتے کے بارے میں، طے ہوا یا نہیں۔"

"ہاں۔ بتا رہا تھا۔ وہاں بات نہیں بنی۔"

"چلیں تو پھر آپ عقیل سے بات کر لیں پھر ہم چلیں گے۔"

ابا جی اثبات میں سر ہلانے لگے، پھر معاً خیال آنے پر عدیل کو مخاطب کر کے پوچھنے لگے۔

"عدیل! وہ تم احمد حسن کی طرف گئے تھے۔"

"نہیں ابا جی! میرا جانا نہیں ہو سکا لیکن میں نے انہیں فون کر دیا تھا۔ جمعہ کو رات کے کھانے کی دعوت دے دی ہے۔"

عدیل بتا کر اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ ادھر میمونہ بھابھی پکار رہی تھیں۔ وہ عجلت میں باہر نکل گئے۔

✿.....✿.....✿

مہ النساء نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے شہر بانو اور شاہ ہارون کو آتے دیکھا تھا۔ دونوں کتنے خوش تھے یوں لگ رہا تھا جیسے قسمت کی دیوی نے مہربان ہو کر ساری رعنائیاں ان کی جھولی میں ڈال دی ہوں۔ شہر بانو

کے ہونٹوں پر ہنسی کھل پڑ رہی تھی اور شاہ ہارون کی سنگت کا غرور اس کے انگ انگ سے عیاں تھا۔ جس نے مہرالنساء کے اندر آگ لگا دی تھی۔ جو اگر وہ اس وقت نیچے اتر کر آتی تو اس آگ کی تپش سے شہر بانو ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔

اسی خیال کے تحت وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلی اور ادھر سے ادھر ٹہل کر اپنے اندر دہکتے ہوئے الاؤ کو سرد کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ خود اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے ساتھ ساتھ سب کو جلا ڈالے گی، بڑی مشکل سے وہ خود کو نیچے جانے سے باز رکھے ہوئے تھی۔ پھر اپنا دھیان بٹانے کی خاطر اس نے ٹیپ ریکارڈ میں کیسٹ لگا کر آن کیا اور مسہری پر آ بیٹھی۔ چند لمحوں بعد سوگوار سی دھن نے کمرے کی خاموش فضا میں اداسی کا رنگ شامل کر دیا تھا۔ وہ کچھ دیر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ٹیپ ریکارڈ پر نظریں جمائے بیٹھی رہی پھر قدرے نیم دراز ہو کر مسہری کی بیک پر سر رکھ کر پلکیں موند لیں۔

اک آگ غم تنہائی سارے بدن میں پھیل گئی
جب جسم ہی سارا جلتا ہو تو دامن دل کو بچائیں کیا

اچانک ٹیپ بند ہونے کی آواز کے ساتھ شہر بانو کے کھلکھلاتی ہنسی نے جیسے بجھتے انگاروں کو پھر سے ہوا دے دی اور وہ ہمیشہ کی طرح اس کی پذیرائی کو اٹھنے کی بجائے ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔

"خیر تو ہے، کون روٹھ گیا.....؟" شہر بانو اپنی دھن میں تھی۔

"کہاں ہیں سکندر بھائی؟ میں پوچھتی ہوں ان سے۔"

"بیٹھ جاؤ شہر بانو!" اس کے ٹھہرے ہوئے سرد لہجے پر شہر بانو نے چونک کر اسے دیکھا پھر اس کے پاس قدرے تکلف سے بیٹھتی ہوئی اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا مہرو؟ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔"

"ہوں..... بہت ہلکی سی ہوں کی آواز اس کے بند ہونٹوں کے اندر دم توڑ گئی۔

شہر بانو اس کی پر اسراریت سے کچھ خائف سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ تو اسے سارا ماحول ہی پراسرار لگا۔ جیسے بچپن میں کہانیاں پڑھا کرتی تھی کہ ظالم دیو نے شہزادی کو قید کر کے پتھر کا بنا دیا۔ اسے مہرالنساء پر اسی شہزادی کا گمان ہو رہا تھا۔ جس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ بے حد گھبرا کر شہر بانو اسے غور سے دیکھنے لگی تب اس کے ہونٹ پہلے ذرا سے نیم وا ہوئے پھر جیسے وہ خود کو بولنے پر آمادہ کر کے کہنے لگی۔

"ایک بات پوچھوں شہر بانو، سچ سچ بتاؤ گی؟"

"ہاں، ہاں۔ کیا بات ہے؟" شہر بانو فوراً بولی۔

"کیا وہ مجھ سے زیادہ حسین ہے؟" اس نے اتنے یقین سے پوچھا کہ شہر بانو سٹپٹا گئی۔

"کون.....؟"

"وہی جس نے شاہ کو میرا نہیں ہونے دیا۔ چند لمحے بس چند لمحے شاہ نے میری جھولی میں خیرات کے طور پر ڈالے تھے۔ شاید اپنی محبت کا صدقہ اتارا تھا۔ کیوں کیا یہی میری حیثیت ہے۔" مہرالنساء اچانک پھٹ پڑی۔

"بتاؤ شہر بانو! تم اس کی بہن ہو، سب جانتی ہو گی۔ مجھے بتاؤ وہ کہاں گیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم مہرو! جو چاہے قسم لے لو....." شہر بانو سچ مچ پریشان ہو گئی۔

"کھاؤ شاہ ہارون کی قسم کہ تمہیں کچھ معلوم نہیں۔" اس نے شہر بانو کی شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ جس

سے وہ اور پریشان ہوگئی اور قدرے روہانسی ہو کر پوچھنے لگی۔

"کب...کب گئے ہیں سکندر بھائی اور تم سے کیا کہہ کر گئے ہیں؟"

"مجھ سے، ارے مجھے تو اس نے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ میرے آنے کا انتظار ہی کر لیتا۔ نہ میرے نام کوئی پیغام چھوڑا جو بابا جان کی بات کو سچ ثابت کرتا کہ وہ مجھ سے نہیں ان سے ناراض ہو کر گیا ہے اس کی ناراضگی کسی سے نہیں تھی۔ اسے ناراض کیا گیا ہے۔ سبب تم جانتی ہو شہر بانو اور جان تو میں بھی گئی ہوں پھر بھی تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔"

تنفر سے بولتی ہوئی مہرالنساء نے سناٹے میں بیٹھی شہر بانو کا ہاتھ زور سے ہلایا پھر کہنے لگی۔

"شادی کی رات شاہ اس کمرے میں آیا تھا وہ بھی اس وقت جب میں اس کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی تھی اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا۔ خیر یہ میرا اور شاہ کا معاملہ ہے مجھے تو تم اس حرافہ کا نام بتاؤ جو شاہ کو مجھ سے چھیننے کی جرات کر بیٹھی ہے۔"

"میرا یقین کرو مہرو! میں کچھ نہیں جانتی۔ میں تو سکندر بھائی کے جانے کا بھی ابھی تمہارے منہ سے سن رہی ہوں۔ بی بی جان نے بھی نہیں بتایا۔"

"وہ نہیں بتائیں گی اور سنو۔ تم بھی ان پر ظاہر مت کرنا کہ تم جان چکی ہو کیونکہ یہ اس گھر کا مسئلہ ہے اور تم اب اس گھر کی فرد نہیں ہو۔"

مہرالنساء نے ہلکی سی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جانے اسے کیا باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ اگر نہیں بھی سمجھی، تب بھی یوں سر جھکا لیا جیسے اب مہرالنساء کی ہر جائز ناجائز پر اسے اسی طرح سر جھکانا ہے ورنہ دوسری صورت میں اسے بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

❁.....❁.....❁

"سکندر بھائی! آپ کے لیے گڈ نیوز......"

نائلہ نے اسے دیکھتے ہی نعرہ لگایا۔ لیکن وہ ایک تو تھکا ہوا تھا دوسرے شوروم کا سودا نہ ہونے کے باعث کچھ مایوس سا بھی تھا۔ جب ہی نائلہ کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور تھکے تھکے انداز میں بیٹھا تو احمد حسن نائلہ کو ٹوکتے ہوئے بولا۔

"تنگ نہیں کرو۔ جاؤ پہلے چائے لے کر آؤ۔"

"میں چائے سے زیادہ اچھی خبر سنانے والی ہوں۔ جو سکندر بھائی کی ساری تھکن پل میں دور کر دے گی اور ان کے مایوس چہرے پر مسکراہٹیں دوڑنے لگیں گی۔ اب بتایئے پہلے چائے یا گڈ نیوز۔"

نائلہ نے شاہ سکندر کے سامنے آکر شوخی سے پوچھا تو اس نے پہلے احمد حسن کو دیکھا اور اس کا اشارہ سمجھ کر بڑے آرام سے بولا۔

"چائے......"

"ہرگز نہیں......" نائلہ چیخ پڑی۔ کیونکہ وہ خود اچھی خبر سنانے کو بے چین تھی اور جانے کب سے ان دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔

"اچھی زبردستی ہے اچھا خبر سناؤ۔ جلدی سناؤ۔" شاہ سکندر نے جیسے اس پر احسان کیا۔ تو وہ منہ پھلا کر بولی۔

"آپ کے باجی کے گھر سے فون آیا تھا انہوں نے ہم سب کو کھانے پر بلایا ہے۔"

''کب۔ آج؟......'' شاہ سکندر کی ساری بے نیازی رخصت ہو گئی۔

''جی نہیں جمعہ کو۔'' نائلہ کا انداز ہنوز تھا۔ جس پر احمد حسن ٹوکتے ہوئے بولا۔

''تو اس میں رونے کی کیا بات ہے کیا تمہیں نہیں بلایا؟''

''جی نہیں۔ مجھے سب سے پہلے بلایا ہے لیکن میں جاؤں گی نہیں۔''

وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی تو کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر احمد حسن اسے دیکھ کر مسکرایا۔ بڑی جاندار مسکراہٹ تھی۔

''جمعہ کے دن......ضرور چلیں گے۔ اور اب جلدی سے بتاؤ کیا طے کرنا ہے؟''

''کیا مطلب؟'' وہ سمجھا نہیں۔

''مائی ڈیر ان کی طرف سے بلاوے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ رشتہ منظور ہے اور ہم جا کر باقی معاملات طے کریں یعنی شادی کی تاریخ وغیرہ۔'' احمد حسن نے مطلب سمجھایا تو وہ کچھ الجھ کر بولا۔

''لیکن یار؟ تیاری تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

''کیا تیاری کرنی ہے۔ کپڑے، زیورات، یہ سب امی اور نائلہ پر چھوڑ دو۔ وہ سب خریداری کریں گی مگر تم سیٹ کر چکے ہو۔ باقی رہا بزنس تو......'' یہاں احمد خود اٹک گیا تو اسے کہنا پڑا۔

''بزنس نہیں ہو سکتا۔ آئی مین شادی کے اخراجات کے بعد بزنس کے لیے پیسہ نہیں بچے گا۔''

احمد حسن بھی بات کہنے سے رک گیا تھا اور جب شاہ سکندر اس حقیقت کا اعتراف کر کے مایوس نظر آنے لگا تب اس کا کندھا تھپک کر بولا۔

''کم آن یار! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پہلے ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو جائے اس کے بعد ہم طے کریں گے کہ آیا شادی پہلے ہونی چاہیے یا بزنس۔''

''ہوں۔'' شاہ سکندر نے پر سوچ انداز میں سر ہلایا پھر ریسٹ واچ پر نظر ڈالی تو چونک کر بولا۔ ''ارے مجھے پانچ بجے ایک دوست سے ملنا تھا۔''

''رکو...... چائے پی کر جانا۔ یہ نائلہ کہاں رہ گئی؟'' احمد حسن اٹھتے ہوئے بولا تو وہ بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

''رہنے دو احمد! دیر ہو جائے گی'' وہ احمد حسن سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔

پانچ بجنے میں دس منٹ تھے وہ اسپیڈ سے گاڑی بھگانے لگا، لیکن جگہ جگہ ٹریفک جام ہونے کے باعث وہ آدھا گھنٹہ لیٹ ہو گیا پھر بھی مبہم سی امید کے سہارے اس نے مطلوبہ چیمبر کے سامنے گاڑی روک دی۔ پھر اتر کر لاک لگا رہا تھا کہ اسے اپنے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا کچھ بے دھیانی میں اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو ایک پل کو اسے اپنا وجود سن ہوتا لگا۔

جن پر اعتبار کیا تھا وہی شاہ جہانگیر اس کے بے حد قریب کھڑے مسکرا رہے تھے۔

''تم بڑے جلد باز ہو سکندر! میرا انتظار بھی نہیں کیا۔''

شاہ جہانگیر اس کے گم صم انداز کو قصداً نظر انداز کر کے ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔

''میں کہیں بہت دور تو نہیں گیا تھا بابا جان کے ساتھ رقبے پر اور اسی شام لوٹ بھی آیا تھا۔''

وہ یونہی خاموش کھڑا رہا تو شاہ جہانگیر نے ادھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔
"یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟"
اس کا سر آپ ہی آپ نفی میں ہل گیا۔
"چلو پھر کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں بلکہ میرے ساتھ آؤ میں ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔"
شاہ جہانگیر نے اس کے کندھے پر یوں ہاتھ رکھا جیسے وہ چلنے کو تیار کھڑا ہو تب اس نے پہلی بات لب کشائی کی۔
"سوری بھائی۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"
"میرا تمہیں اغوا کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ چلو خیر، جہاں تم کہو وہیں چلتے ہیں یا مجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتے؟"
شاہ جہانگیر نے محبت بھرے انداز میں اس کی ناراضگی کو جتا کر پوچھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔
"یہ بات نہیں ہے بھائی! اصل میں، میں یہاں ایک دوست سے ملنے آیا تھا اگر آپ کو کوئی کام نہیں ہے تو کچھ دیر انتظار کریں میں اس سے مل کر آتا ہوں۔ پھر گھر چلیں گے۔"
"گھر" شاہ جہانگیر چونکے تھے کہ وہ بول پڑا۔
"میرے گھر"
"اچھا ہاں۔ تم جاؤ مل آؤ دوست سے میں انتظار کر رہا ہوں۔"
شاہ جہانگیر نے خوشدلی اور فراخدلی کا مظاہرہ کیا پھر اطمینان سے گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگے اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تب ان کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں اترنے لگی تھیں۔

❀.....❀.....❀

وہ جب شاہ جہانگیر کے ساتھ اپنے اپارٹمنٹ میں آیا، اس وقت تاریکی پر پھیلا چکی تھی۔ وہ ایک کے بعد ایک تینوں کمروں میں ٹیوب لائٹیں آن کرتا ہوا دوبارہ لاؤنج میں آیا تو شاہ جہانگیر شوق سے اس کے گھر کا جائزہ لے رہے تھے پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔
"گھر والی کہاں ہے؟"
"آنے والی ہے۔" اس نے بڑے اعتماد سے مسکرا کر جواب دیا۔
"کیا مطلب کہیں گئی ہوئی ہے یا ابھی شادی ہی نہیں ہوئی؟"
شاہ جہانگیر نے بیٹھتے ہوئے استفسار کیا تو وہ الٹا ان سے پوچھنے لگا۔
"آپ کو کیا لگ رہا ہے؟"
شاہ جہانگیر نے یوں کندھے اچکائے جیسے کہہ رہے ہوں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" تب وہ ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔
"اتنی جلدی شادی کیسے ہو سکتی ہے جب تک آسیہ کے گھر والوں کو میری طرف سے اطمینان نہیں ہو جاتا وہ اپنی بیٹی۔"
"کیسا اطمینان چاہتے ہیں وہ؟" شاہ جہانگیر فوراً بول پڑے۔ "تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو شاہ پور

کے جاگیردار کے بیٹے ہو۔ ساری زندگی نہ صرف خود بلکہ آنے والی نسل کو بھی بٹھا کر کھلا سکتے ہو کیا تم نے ان پر اپنی حیثیت واضح نہیں کی؟"

"سب جانتے ہیں وہ۔ یہ بھی کہ جس جاگیر کے بل پر میں اپنی نسل تک کو بٹھا کر کھلا سکتا تھا وہ میں چھوڑ آیا ہوں۔ اور آپ غلط سمجھ رہے ہیں بھائی۔ اُن کے پیش نظر میری مالی حیثیت کبھی نہیں رہی اب بھی نہیں ہے بس وہ اس بات سے خائف ہیں کہ کہیں یہ میرا جذباتی فیصلہ نہ ہو۔"

اس نے بڑے ضبط اور تحمل سے کہا تو شاہ جہانگیر کچھ دیر پرسوچ انداز میں سر ہلانے کے بعد کہنے لگے۔

"یہ سب تمہاری جلد بازی کا نتیجہ ہے ورنہ اس وقت آسیہ اس گھر میں موجود ہوتی۔"

"ہر بات کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے بھائی!" اس نے کہا تو شاہ جہانگیر ذرا سا مسکرائے پھر کہنے لگے۔

"یہ بات تم نے پہلے کیوں نہ سوچی تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا یا آسیہ پر، بلکہ میرا خیال ہے تمہیں خود اپنے آپ پر بھروسہ نہیں تھا بہر حال تم نے گھر چھوڑ کر سخت غلطی کی ہے وہاں سے تعلق توڑے بغیر تم آرام سے دوسری شادی کر سکتے تھے میں تمہارے ساتھ تھا کیونکہ مجھے اپنا وعدہ ہر حال میں نبھانا تھا۔ لیکن بابا جان کی ناراضگی مول لے کر تم نے اپنے لیے ہی نہیں میرے لیے بھی مشکل کھڑی کر دی ہے۔ بابا جان کا حکم ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی واسطہ، کوئی تعلق نہ رکھا جائے اور حکم عدولی کی سزا تم جانتے ہو اس کے باوجود ان تین مہینوں میں، میں کئی بار تمہاری تلاش میں اس شہر کے چکر لگا چکا ہوں۔"

"کیوں؟" شاہ جہانگیر ایک لمحے کو رُکے تھے کہ وہ صرف کیوں کہہ کر ہونٹ بھینچ گیا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ آسیہ کے گھر والے تمہیں گھر سے نکلا ہوا اکیلا شخص سمجھ کر شادی میں پس و پیش کریں۔ بابا جان کا حکم اپنی جگہ، تمہیں اکیلا چھوڑنا بھی میرے اختیار میں نہیں ہے۔ بتاؤ کیا چاہتے ہیں آسیہ کے گھر والے؟ ہم ان کی ساری ڈیمانڈ پوری کریں گے۔"

شاہ جہانگیر کے لہجے میں اپنی حیثیت کا تفاخر تھا جسے وہ چھوڑ آیا تھا لیکن بھولا ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ اس کے اندر شاید یہ خواہش موجود تھی کہ وہ آسیہ کو اسی شان سے بیاہ لائے جو اس کی شخصیت کا خاصا رہی تھی جب ہی شاہ جہانگیر کی آخری بات اور ان کے لہجے پر اس کی گردن آپ ہی آپ تن گئی اور تسخیر کر لینے کا احساس جاگنے لگا تھا۔

"ابھی تک تو انہوں نے کوئی ڈیمانڈ نہیں کی۔ اس جمعے کو رات کے کھانے پر بلایا ہے آپ۔ آپ چلیں گے ناں ہمارے ساتھ؟" اس نے قدرے بے تابی سے پوچھا۔

"نہ صرف چلوں گا بلکہ شادی طے کر کے آؤں گا۔" شاہ جہانگیر نے صوفے کے بازو پر مکا جماتے ہوئے کہا۔

"لیکن بھائی! ابھی میرا کوئی کاروبار تو سیٹ ہوا نہیں اور پیسہ میرے پاس اتنا ہے کہ۔" اس کی باقی بات شاہ جہانگیر کے قہقہے میں دب گئی۔

"ہاہا۔ یہ تم پیسے کا حساب کب سے رکھنے لگے۔ یہ کام تمہارے بس کا نہیں ہے تم تو میری جان شادی کر کے عیش کرو۔"

"عیش پیسے کے بل پر کیا جاتا ہے اور پیسہ مجھے کمانا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا لیکن شاہ جہانگیر اسی محظوظ انداز میں بولے۔

"کمانے کا شوق بھی پورا کر لینا۔ پہلے شادی تو کر لو۔ گھر میں عورت ہو گی تو مجھے چائے پانی کا بھی

پوچھے گی۔"

"سوری۔" وہ شرمندہ ہو کر فوراً کھڑا ہو گیا۔ "میں بس ابھی۔"

"بس رہنے دو چائے وائے، چلو کہیں باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں۔" شاہ جہانگیر ٹوکتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے پھر پوچھنے لگے۔

"تمہارا کھانے کا کیا انتظام ہے؟"

"باہر ہی کھانا پڑتا ہے۔" اس نے اپارٹمنٹ کی چابیوں کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی خانساماں رکھ لو کیونکہ نئی دلہن کو آتے ہی کام سے لگا دینا اچھی بات نہیں ہے۔"

ان کے فراخدلانہ مشورے پر وہ اسے کندھے اچکا کر بولا۔

"فی الحال افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"تمہیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں سکندر! اپنی ہمیشہ والی آن بان اور شان سے رہو۔ پیسے کی فکر نہیں کرنا میں کبھی تمہارا اکاؤنٹ خالی نہیں ہونے دوں گا۔"

شاہ جہانگیر نے اتنے مضبوط لہجے میں کہا کہ اس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا تھا۔

❁.....❁.....❁

بابا جان کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے مہرالنساء نے دوپٹے کو اچھی طرح سر پر جمایا پھر اندر داخل ہو کر سلام کر کے یوں کھڑی ہو گئی جیسے اب اسے صرف بابا جان کی بات سننی ہے کہنا کچھ بھی نہیں جبکہ کہنے کو اس کے پاس بہت کچھ تھا۔

"یہاں آ کر بیٹھو مہرالنساء!" بابا جان نے اپنے برابر اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"ہم نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ ہم تمہیں سکندر کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں۔"

مہرالنساء چونکی نہ اس کے اندر کوئی ہلچل مچی۔ اس کے برعکس جیسے اسے یقین تھا کہ بابا جان اس سے غلط بیانی کریں گے۔

"سکندر کراچی میں ہے اور میں نے جہانگیر کو اس کے پاس بھیجا ہے۔ امید ہے وہ اسے سمجھا بجھا کر لے آئے گا نہیں بھی آیا تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ کم از کم تمہارے لیے جہانگیر اس کا ٹھکانا دیکھ آئے پھر تم جب جی چاہے اس کے پاس چلی جانا۔ تم سے تو اس کی کوئی ناراضگی نہیں ہے اور ہمارا خیال ہے تم ہی اسے منا کر لا سکتی ہو۔"

مہرالنساء کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ایک لمحے کو چھب دکھلا کر غائب ہو گئی تھی پھر اس نے دکھ سے سوچا۔

"کاش وہ مجھ سے ناراض ہوتا۔ میں اسے منانے کی سوجتن کرتی۔ اس کے سامنے اپنی ہستی مٹا ڈالتی۔

"تمہاری بی بی جان بتا رہی تھیں تم کھانے پینے میں لاپروائی کرتی ہو، اپنا خیال رکھا کرو۔"

بابا جان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت کا اظہار کیا تو اس کی بے حسی ٹوٹنے لگی اور اس سے پہلے کہ آنکھیں چھلکتیں، اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں جاؤں بابا جان؟"
"ہوں اور دیکھو شاہ جہانگیر جیسے ہی آئے اسے ہمارے پاس بھیج دینا۔" بابا جان نے اجازت دینے کے ساتھ کہا۔

"جی!" وہ ان کے کمرے سے نکل آئی اور راہداری میں رُک کر آنکھوں میں اتری نمی دوپٹے میں جذب کی پھر اپنے کمرے میں آتے ہوئے جیراں پر نظر پڑی تو اسے اسکوائش لانے کا کہا۔ اس کے بعد کمرے کا رُخ کیا۔

اپنے اندر کے بوجھل پن سے وہ خود کسی کسی وقت بہت پریشان ہو جاتی تھی ایسی حالت میں عورت یوں بھی اکتائی اکتائی رہتی ہے۔ کچھ اچھا نہیں لگتا اور اس کے تو اپنے ساتھ اچھا نہیں ہوا تھا۔ اوّل روز سے جو ذہن الجھا تھا تو اب تک مختلف سوچوں کے تانے بانے میں الجھا ہی رہتا تھا۔ شادی سے پہلے سجائے خوبصورت سپنوں کی کرچیاں سمیٹتے سمیٹتے اس کی انگلیاں فگار ہو گئی تھیں اور بابا جان ابھی بھی کہہ رہے تھے کہ وہ اس سے ناراض نہیں ہے۔

اسکوائش گھونٹ گھونٹ حلق سے اتار کر وہ اپنے اندر کی تپش کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کچھ فرق نہیں پڑا۔ پورا گلاس خالی ہو گیا۔

"اور ڈالوں بی بی جی؟"

جیراں جگ لیے انتظار میں کھڑی تھی۔ اس نے گلاس سامنے کر دیا۔ اور جیسے ہی جیراں نے اسکوائش سے بھرا اس بار وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گئی تو قدرے ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ کچھ دیر کے لیے بیڈ کی بیک پر سر رکھ کر اس نے پلکیں موند لیں۔ خالی گلاس ابھی اس کے ہاتھ میں تھا، جب ہی جیراں بھی کھڑی رہ گئی۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو قدرے ناگواری سے بولی۔

"تم ابھی یہیں ہو؟"

"یہ شربت۔" جیراں نے جگ سامنے کر کے اپنے کھڑے رہنے کا سبب بتایا تو وہ کارنر ٹیبل کو دیکھ کر بولی۔

"یہاں رکھ دو۔"

جیراں نے جگ رکھ دیا پھر جانے کے بجائے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر بولی۔

"بی بی جی! ایک بات کہوں آپ برا تو نہیں مانیں گی۔"

"کیا بات ہے؟" اس کی پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہوئیں تو جیراں کچھ ڈرتے ڈرتے کہنے لگی۔

"وہ جی۔ جہاں میری نانی کا گھر ہے وہاں ایک سائیں جی رہتے ہیں بڑے پہونچے (پہنچے) ہوئے ہیں سائیں جی، ساری عورتیں ان کے پاس جاتی ہیں۔"

"پھر؟" اس کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو گئیں، لیکن ان میں غصہ یا ناگواری نہیں تھی جب ہی جیراں آرام سے کہہ گئی۔

"اگر آپ کہیں تو میں چھوٹے شاہ جی کے لیے تعویذ لا دوں۔"

"شاہ کے لیے؟" وہ ایک جھٹکے سے مسہری کی بیک چھوڑ کر سیدھی بیٹھی۔ "کیا ہوا شاہ کو؟" سے بولی۔

"اللہ نہ کرے بی بی! جو اپنے چھوٹے شاہ جی کو کچھ ہو۔" جیراں اس کے تیوروں سے سہم کر جلدی

''پھر تم نے ان کا نام کیوں لیا؟''

''غلطی ہو گئی بی بی جی! معاف کر دیں۔''

کانپتی آواز میں کہہ کر جیراں نے پیچھے یوں دیکھا جیسے اس کا اشارہ ملتے ہی بھاگ کھڑی ہو گی۔

مہرالنساء کچھ دیر تک اسے گھورتی رہی پھر دھیرے دھیرے اس کی پیشانی کی لکیریں صاف ہونے لگی تھیں۔ اس کے بعد جب اس نے جیراں کو بیٹھنے کے لیے کہا تو اس کے لہجے میں مالکانہ دبدبہ نہیں تھا۔

''کیا کہو گی سائیں جی سے؟'' وہ اب دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

''میں انہیں بتاؤں گی بی بی جی کہ چھوٹے شاہ جی گھر نہیں آتے۔ پھر وہ ایسا تعویذ دیں گے کہ چھوٹے شاہ جی بھاگے آئیں گے ساری زندگی غلامی کریں گے آپ کی۔''

جیراں قدرے جوش سے کہہ رہی تھی اور اس تصور سے ہی اس کی گردن اکڑی جا رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

جمعے کی نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ اور میمونہ بھابھی کچن میں مصروف ہو گئیں۔ دوپہر کا کھانا سب نے نماز سے پہلے ہی کھا لیا تھا اور اب رات کے کھانے کی تیاری تھی وہ بھی مہمانوں کے لیے۔ اور ظاہر ہے خاصا اہتمام کرنا تھا۔ کباب، کوفتے، بریانی، قورمہ اور سویٹ ڈش میں بھی دو آئیٹم شامل تھے۔ اس پر بھی عدیل بھائی نے کچن میں جھانک کر ایک آدھ ڈش کا مزید اضافہ کرنے کو کہا تو میمونہ بھابھی چیخ پڑیں۔

''ہرگز نہیں۔ مجھے تو آج کی تاریخ میں یہ سب بھی پکتا نظر نہیں آ رہا۔''

''صبح سے کیا کر رہی تھیں آپ؟'' عدیل نے قیمہ پیستی آسیہ پر نظر ڈال کر کہا تو میمونہ بھابھی باقاعدہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئیں۔

''کیوں دوپہر کا کھانا تم نے پکایا تھا گھر کی صفائی بھی تم نے کی اور بچوں کو بھی تم نے نہلایا تھا ناں۔ ہم تو ابھی بستر سے نکل کر کچن میں آئے ہیں۔ ویسے تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو تمہارے سسرال والے تو نہیں آ رہے۔''

''میرے سسرال والوں کو آپ بے تک چائے بھی نہیں پلوائیے گا۔''

عدیل نے کہا تو قیمہ پیستے ہوئے اس کے ہاتھ ایک لمحے کو رُکے تھے۔

''اچھا بس، جاؤ یہاں سے، ہمیں کام کرنے دو۔''

میمونہ بھابھی نے انہیں دھکیل کر باہر نکالا۔ پھر اس سے کہنے لگیں۔

''سنو۔ تم کوفتے بنا لو کیونکہ مجھے کوفتے بنانے میں کوفت ہوتی ہے۔''

''مجھے آپ سے زیادہ کوفت ہوتی ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے یہ آئٹم گول کر جائیں۔'' وہ قیمے کا ڈونگا انہیں تھماتے ہوئے بولی۔

''اور عدیل؟''

''انہیں بتانے کی کیا ضرورت ہے اور مہمانوں کے سامنے تو وہ کچھ کہنے سے رہے۔ بعد میں آپ نپٹ لیجیے گا۔ ابھی تو کباب بنا کر فریج میں رکھیے میں جب تک قورمے کا مصالحہ تیار کرتی ہوں۔''

وہ خاصی عجلت میں اور مصروف رہ کر بول رہی تھی تب میمونہ بھابھی بھی باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے کام میں مصروف ہو گئیں۔

شام تک سب کھانا تیار ہو گیا۔ صرف کباب تلنے باقی تھے جنہیں اس نے کھانے کے وقت ہی تلنے کا مشورہ دیا اس کے بعد میمونہ بھابھی کے کہنے پر نہانے اور کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں آ گئی گو کہ اس کا مہمانوں کے سامنے جانا متوقع نہیں تھا البتہ نائلہ اور اس کی امی اس کے کمرے میں آ سکتی تھیں۔ اسی خیال کے تحت پہلے اس نے اپنا کمرہ ٹھیک ٹھاک کیا پھر نہانے چلی گئی۔

پھر جب شام گہری ہو کر تاریکی میں ڈوب رہی تھی تب مہمانوں کی آمد نے خوشگوار سی ہلچل مچا دی تھی شاہ سکندر سے مصافحہ کرتے ہوئے عدیل کی نظریں شاہ جہانگیر کو دیکھ رہی تھیں جن کے انداز میں وہی تفاخر اور زعم تھا جو اول روز شاہ سکندر میں نظر آیا تھا۔

"یہ میرے بھائی ہیں بڑے بھائی، شاہ جہانگیر حیات۔"

شاہ سکندر نے ان کا تعارف کرایا تو سب کی نظریں بے اختیار ان کی طرف اٹھی تھیں یقیناً چونکا دینے والا سرپرائز تھا جس نے خدشوں کے درمیان اطمینان کی لہر دوڑا دی تھی۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" عدیل کے بعد ابا جی پھر خلیل بھائی نے شاہ جہانگیر کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے انہیں بٹھایا۔

"مجھے بہت پہلے آنا چاہیے تھا اس وقت جب شاہ سکندر نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔"

شاہ جہانگیر بیٹھتے ہی ابا جی کو دیکھ کر کہنے لگے۔ "لیکن ایک تو مصروفیات نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ دوسرے میں پہلے اپنے والدین کو کنونس کرنا چاہتا تھا میری والدہ اور بہنیں تو بہت خوش ہیں۔ البتہ والد صاحب۔ نو پرابلم، وہ بھی زیادہ دیر ناراض نہیں رہیں گے۔ سکندر نے یہاں آ کر انہیں سوچنے پر تو مجبور کر ہی دیا ہے، لیکن ظاہر ہے وہ بڑے ہیں انہیں اپنی بات تو رکھنی ہی ہے اس لیے انہوں نے والدہ اور بہنوں پر پابندی لگا دی ہے ورنہ والدہ صاحبہ آنے کو تیار تھیں۔"

ابا جی کیا کہتے بس ان کی باتوں پر سر ہلائے جا رہے تھے۔

"البتہ والدہ صاحبہ نے۔"

شاہ جہانگیر نے کچھ کہتے ہوئے شاہ سکندر اور احمد حسن کو دیکھ کر جانے کیا اشارہ کیا کہ وہ دونوں اٹھ کر باہر چلے گئے۔

"میں آسیہ باجی سے مل لوں؟"

نائلہ کو اتنی دیر سے بولنے کا موقع نہیں مل رہا تھا ذرا دیر کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر فوراً کھڑی ہو گئی۔

"ضرور۔ چلی جاؤ گی یا میں؟" میمونہ بھابھی اٹھنے لگیں کہ وہ بول پڑی۔

"میں چلی جاؤں گی۔"

"آپ کھانے سے پہلے کچھ لیں گے۔ سیون اپ وغیرہ۔" خلیل بھائی نے شاہ جہانگیر کو متوجہ کر کے پوچھا۔

"نو تھینکس۔" شاہ جہانگیر نے منع کرتے ہوئے دروازے کی سمت دیکھا جہاں سے شاہ سکندر اور احمد حسن کچھ سامان کے ساتھ داخل ہو رہے تھے۔ سیمسونائٹ سوٹ کیس اور چھوٹے بڑے کئی پیکٹ جنہیں اماں جی کے سامنے رکھ کر وہ دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ تب شاہ جہانگیر کہنے لگے۔

"یہ ہماری والدہ صاحبہ نے کچھ تحائف بھیجے ہیں۔"

"ہمارے لیے سب سے بڑا تحفہ ان کی خوشی ہے یہ سب تو۔" عدیل کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کہیں۔
"اپنی خوشی کا اظہار انہوں نے کسی طرح تو کرنا ہی تھا بلکہ انہوں نے تاکید کی تھی کہ شادی کی تاریخ طے کرنے سے پہلے ہم آپ کی نذر کریں کیونکہ یہ ہمارے ہاں کا دستور ہے۔"
شاہ جہانگیر بہت اعتماد سے پوری محفل پر اپنی گرفت مضبوط کیے ہوئے تھے یوں کہ اپنی بات میں کہیں بھی کوئی اختلاف کا پہلو نہیں چھوڑ رہے تھے۔
"میرا خیال ہے اب کھانا ہو جائے باقی باتیں۔"
خلیل بھائی کے اشارے پر میمونہ بھابھی اٹھتے ہوئے بولیں تو شاہ جہانگیر نے فوراً ہاتھ اُٹھا کر انہیں روک دیا۔
"ایک منٹ خاتون! تشریف۔"
میمونہ بھابھی جس طرح کھڑی ہوئی تھیں اسی طرح بیٹھ گئیں۔
"کھانے سے پہلے ہم میٹھا پسند کریں گے۔" شاہ جہانگیر نے نشست میں آرام دہ انداز اختیار کرتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو میمونہ بھابھی تو سمجھیں نہیں لیکن ابا جی فوراً سمجھ کر پوچھنے لگے۔
"آپ کا معمول ہے پہلے میٹھا کھانا یا۔"
"معمول سے ہٹ کر صرف اس وقت، وہ بھی آپ کی اجازت سے ہم پہلے منہ میٹھا کریں گے۔"
شاہ جہانگیر نے جواب دینے کے ساتھ اپنی بات کی وضاحت بھی کر دی۔
ابا جی نے پہلے اماں جی پھر باری باری بیٹوں کو دیکھا اور ان کی آنکھوں میں رضا مندی دیکھ کر ہی بولے تھے۔
"عدیل! جاؤ پہلے مٹھائی لے آؤ۔"

❀.....❀.....❀

"آپ نے کمال کر دیا بھائی۔" رات سے شاہ سکندر کی ہر بات کا اختتام اسی جملے پر ہو رہا تھا۔ "مجھے بالکل یقین نہیں تھا کہ وہ اتنی قریبی تاریخ پر آمادہ ہو جائیں گے۔"
"مجھے اگر اسلام آباد نہ جانا ہوتا تو میں اس سے بھی قریبی تاریخ طے کرتا۔ خیر پندرہ دن بھی زیادہ نہیں ہیں۔ اتنا وقت تو تمہیں بھی تیاری کے لیے چاہیے۔ دلہن کے زیورات اور کپڑوں کی خریداری کے لیے احمد حسن کی والدہ سے کہو۔ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا کہ شادی سے دو تین روز پہلے آسکوں بس دعا کرو بابا جان کا کوئی کام نہ نکل آئے۔"
شاہ جہانگیر اسے ہدایات دینے کے ساتھ اپنی طرف سے اطمینان بھی دلا رہے تھے پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔
"پیسوں کی بالکل فکر نہیں کرنا اور ہاں کوئی چھوٹا موٹا کام کرنے کا بھی نہیں سوچو۔ شادی کر کے اطمینان سے ہو جاؤ پھر اپنے لیے کوئی بڑا بزنس سوچنا۔ اپنے شایانِ شان۔ او کے۔"
اثبات میں سر ہلاتے ہوئے شاہ سکندر کے ہونٹوں پر چمکتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔
"اب میں چلتا ہوں۔ دوپہر کے کھانے تک گھر پہنچ جاؤں تو اچھا ہے۔"
شاہ جہانگیر گھڑی دیکھتے ہوئے کھڑے ہو گئے تو اس نے بھی ان کی تقلید کی۔ اور ان کے ساتھ چلتا

ہوا دروازے تک آیا۔
"کسی کے لیے کوئی پیغام ہو تو۔" شاہ جہانگیر نے دروازے میں رُک کر اسے شوخ نظروں سے دیکھا لیکن وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔
"نہیں بھائی! کسی کے لیے کوئی پیغام نہیں۔"
"او کے۔ خدا حافظ" شاہ جہانگیر اس کا کندھا تھپک کر باہر نکل گئے تو کچھ دیر وہ ان کے پیچھے فکر جمائے کھڑا رہا پھر دروازہ بند کر کے اندر آتے ہی آسیہ کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رات سے اس کا دل اس سے بات کرنے کو مچل رہا تھا۔ دوسری بیل پہ جیسے ہی اس کی آواز سنائی دی وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔
"تھینکس گاڈ، میں ڈر رہا تھا کہیں سارا دن تمہارے نمبر ڈائل کرنے میں نہ گزر جائے۔"
"اس کے لیے آپ کو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔" وہ کھنکتی ہوئی آواز میں بولی۔
"کیوں، کیا تمہیں یقین تھا کہ میں فون ضرور کروں گا؟"
"جی۔ اور اسی لیے میں صبح سے فون کے آس پاس موجود ہوں۔" اس نے کہا تو وہ جلدی سے بولا۔
"بہت بہت شکریہ لیکن ایک شکایت ہے تم سے۔"
"کیا؟"
"رات سب کے بلانے پر بھی تم کھانے میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوئیں۔"
"کیا مجھے آنا چاہئے تھا؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔
"کوئی مضائقہ نہیں تھا خیر تم نے جو کیا ٹھیک کیا یہ بتاؤ ان پندرہ دنوں کے دوران کسی دن ملاقات ہو سکتی ہے؟" وہ بڑی آس سے پوچھ کر اس کا جواب سننے کو بے تاب ہو گیا۔
"نہیں شاہ سکندر! یہ ممکن نہیں ہے اور پلیز آپ مجھے مجبور نہیں کیجیے گا۔"
اس نے عاجزی سے کہا تو وہ خاموش ہو گیا اور قدرے توقف سے پکار کر کہنے لگا۔
"سنو آسیہ! میں بہت خوش ہوں حالانکہ اپنی اب تک کی زندگی میں، میں نے جو چاہا، پالیا۔ پھر بھی یوں لگ رہا ہے جیسے میری زندگی کی اوّلین تمنا پوری ہوئی ہو۔ اور پانے کے احساس نے میری روح تک کو سرشار کر دیا ہے۔ اتنا خوش شاید میں کبھی نہیں ہوا۔"
"اپنی خوشی میں یہ نہیں بھولیے گا شاہ سکندر! کہ میں کوئی بہت عام سی لڑکی نہیں ہوں۔ میرے خواب، میری سوچیں صرف ایک خوبصورت گھر تک محدود نہیں ہیں۔"
آسیہ نے بڑی خوبصورتی سے اپنی بات دہرا کر اسے اس کا وعدہ یاد دلانے کی کوشش کی۔ اور وہ بھولا نہیں تھا۔
"مجھے یاد ہے آسیہ! میں تمہارے مقصد کی راہ میں حائل نہیں ہوں گا، لیکن تمہیں کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد تم ہر قدم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔"
"شکریہ شاہ سکندر! مجھے یقین ہے میرا انتظار زیادہ طویل نہیں ہوگا۔"
آسیہ نے ممنونیت سے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تو اس نے ہونٹ بھینچ کر ریسیور کو دیکھا پھر کریڈل پر رکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جانے کس سوچ کی پرچھائیاں اترنے لگی تھیں۔

گو کہ بیٹی کے پیدا ہوتے ہی اسی وقت سے اس کی رخصتی کی تیاریاں بھی شروع ہو جاتی ہیں۔ اماں جی نے اس کے لیے بہت کچھ بنا رکھا تھا اس کے باوجود بہت کچھ باقی تھا اور اتنے کم دنوں میں سب کچھ کرنا تھا کہ وہ اس گھر کی اکیلی لڑکی تھی۔ بھائیوں کی لاڈلی، بھابیوں کی چہیتی اور صحیح معنوں میں ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی راحت۔

اماں جی سچ مچ بوکھلا گئی تھیں اسلام آباد فون کر کے شکیل بھائی اور سیما بھابھی کو فوراً آنے کو کہا اور شکیل بھائی ظاہر ہے نوکری والے تھے، البتہ سیما بھابھی کو انہوں نے اگلے دن ہی بھیج دیا جس سے میمونہ بھابھی کو بڑا سہارا ہو گیا۔ فرنیچر وغیرہ کے لیے شاہ سکندر نے منع کروا دیا تھا کیونکہ اس کے اپارٹمنٹ میں گنجائش نہیں تھی اور اس نے تو اور بھی بہت چیزوں کو منع کیا لیکن اماں جی نہیں مانیں۔

"میری کون سی دس بیٹیاں ہیں جن کے لیے سنبھال رکھوں۔ یہ سب جو آسیہ کے لیے ہے اس کے ساتھ جائے گا۔"

بھائیوں اور بھابیوں نے ان کی تائید کی۔ میمونہ بھابھی کا کہنا تھا کہ لوگ شادی میں آسیہ سے زیادہ اس کا جہیز دیکھنے آئیں گے کہ چار لائق فائق بھائیوں کی بہن کیا کچھ لے کر جا رہی ہے۔

"پھر تو آپ کو جہیز پر ٹکٹ لگا دینا چاہیے۔ سارے پیسے وصول ہو جائیں گے۔"

اس نے میمونہ بھابھی کی بات سن کر شرارت سے کہا۔

بہر حال پہلا ہفتہ تو سیما بھابھی اور میمونہ بھابھی کا بازاروں کے چکر کاٹنے میں نکل گیا اس کے بعد پیکنگ کا مرحلہ آیا تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتی کیونکہ گھر کے کام کاج اماں جی اسے کرنے نہیں دے رہی تھیں۔ اور فارغ بیٹھنا اس کے لیے مشکل ترین کام تھا۔ اس وقت وہ بھاوجوں کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے ان کے پاس آ کر بیٹھی تھی کہ میمونہ بھابھی اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

"تم جب چلی جاؤ گی تو سب سے زیادہ تمہاری کمی مجھے محسوس ہو گی۔ سچ مجھے تو سوچ کر وحشت ہو رہی ہے پتا نہیں میرے دن کیسے کٹیں گے؟ اف میں تو بولے بغیر رہ بھی نہیں سکتی اور اماں جی سے میں کیا باتیں کروں گی۔"

"وہی باتیں جو مجھ سے کرتی ہیں۔" اس نے بڑے آرام سے کہا تو میمونہ بھابھی بے ساختہ بولیں۔

"شاہ سکندر کی؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ اچھل پڑی۔

سیما بھابھی پہلے ہی شاہ سکندر کا نام لیے جانے پر ہنس رہی تھیں۔ اس کے اچھلنے پر میمونہ بھابھی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئیں تو وہ جز بز سی ہو کر سوٹ کیس کھولنے لگی۔

"اسے مت چھیڑو، بڑی مشکل سے پیک کیا ہے۔"

میمونہ بھابھی ہنسی روک کر چلائیں تو اس نے سوٹ کیس چھوڑ دیا اور گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی کچھ روٹھا روٹھا سا انداز تھا تبھی بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے آئے اور دھکا لگنے سے سمیہ اس کے اوپر آن گری۔

"اف!" سمیہ کا سر بڑی زور سے اس کے سر سے ٹکرایا تھا ایک لحظہ کو وہ چکرا گئی۔

"ایک جگہ چین سے نہیں بیٹھا جاتا تم لوگوں سے۔ ایسی کیا افتاد آن پڑی تھی کہ بھاگے چلے آئے۔"

"نہیں ڈانٹیں بھابھی! بچے ہیں۔" اس نے ڈرے ہوئے معصوم چہروں کو دیکھ کر ان کی طرفداری کی۔
"بچوں کو آرام سے بیٹھنا منع ہے کیا چلو سب ادھر آ کر بیٹھو۔"
سیما بھابھی نے لان سے اشارہ کر کے سب کو ایک جگہ بٹھایا پھر انہیں ہونٹوں پر انگلی رکھنے کو کہا تو اس نے فوراً احتجاج کیا۔
"یہ زیادتی ہے بھابھی!"
"نہیں بس، یہ خاموش بیٹھیں گے۔" سیما بھابھی رعایت برتنے کو تیار نہیں ہوئیں۔
"ٹھیک ہے میں انہیں اپنے کمرے میں لے جاتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھنے لگی کہ میمونہ بھابھی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی، یہیں بیٹھو، بچوں نے کون سا ہماری بات مان لینی ہے ابھی دیکھنا کیسے بولیں گے۔"
اس نے باری باری سب بچوں کو دیکھا سب کے ہونٹوں میں شریر مسکراہٹ دبی تھی اور ایک دوسرے کو کہنیاں بھی مار رہے تھے اسے ہنسی آ گئی۔
"دیکھ لیا اپنے لاڈلوں کو، یہ آرام سے بیٹھنے والے ہیں۔" سیما بھابھی نے کہا اور سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں جو اس نے اشارے سے سمیہ کو اپنے پاس بلایا اور گود میں بٹھا کر آہستہ آواز میں اس سے جانے کیا باتیں کرنے لگی تھی کہ دوسرے بچوں میں بے چینی پھیل گئی کہ پھوپھو ان سے بات کیوں نہیں کر رہیں۔ احمر سے رہا نہیں گیا تو پکار کر پوچھنے لگا۔
"پھوپھو! آپ کی شادی ہو رہی ہے؟"
اس بے ساختہ سوال پر وہ جھینپ گئی تو میمونہ بھابھی اس کے پہلو میں چٹکی کاٹ کر بولیں۔
"احمر! تم سے پوچھ رہا ہے، جواب دو۔"
"مجھے پتا ہے، پھوپھو دلہن بنیں گی۔"
وہ میمونہ بھابھی کو گھورنے لگی تھی کہ ادھر سونیا نے اپنی قابلیت جتانی شروع کر دی۔
"اماں جی نے لال غرارہ بنایا ہے وہ پہنیں گی پھوپھو، اتنی پیاری لگیں گی۔"
"اور دولہا کون بنے گا؟" اشعر نے یوں پوچھا جیسے کوئی ڈراما کھیلا جا رہا ہو جس پر بھاوجوں کے ساتھ وہ بھی بے ساختہ ہنس پڑی۔
"میں بنوں گا۔" سب کے درمیان خاموش بیٹھنے والا نبیل جانے کیسے بول پڑا۔
"افوہ۔ نہیں نبیل بھائی! پھوپھو کی شادی آپ کے ساتھ تھوڑی ہو رہی ہے وہ تو۔ وہ اچھے والے انکل ہیں ناں ان کے ساتھ ہو گی۔"
سونیا کی بات پر وہ تینوں ادھر متوجہ ہو گئی تھیں۔
"وہی انکل دولہا بن کر آئیں گے اور پھوپھو کو اپنے ساتھ لے جائیں گے، ہیں ناں پھوپھو۔"
سونیا نے بات کے اختتام پر اس سے تائید چاہی تو وہ گردن موڑ کر میمونہ بھابھی کو دیکھتے ہوئے بولی۔
"اس چلاکو ماسی کو سب پتا ہے بڑی تیز ہو گئی ہے۔"
"کس پر گئی ہے؟" سیما بھابھی متبسم تھیں

"مجھ پر نہیں گئی میں بہت سیدھی سادی ہوں اور اس کی عمر میں تو مجھے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ شادی کس چڑیا کا نام ہے۔"

میمونہ بھابھی نے ہنستے ہوئے کہا۔ تبھی نبیل آسیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگا۔

"پھوپھو! آپ چلی جائیں گی؟"

"ہیں!" اس نے چونک کر نبیل کو دیکھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا۔ اور بہت کوشش سے بھی اس کی بات کا جواب دے سکی نہ کوئی اور بات۔ کیونکہ نبیل کے چہرے پر انجانا سا خوف تھا۔ میمونہ بھابھی اور سیما بھابھی بھی دیکھ رہی تھیں۔

"بتائیں ناں پھوپھو، آپ کہاں جائیں گی؟" نبیل نے پھر اس کا بازو ہلا کر پوچھا۔

"پھوپھو اپنے گھر جائیں گی بیٹا! ان کی شادی ہو رہی ہے ناں اور یہ تو خوشی کی بات ہے۔"

سیما بھابھی نے قصداً خوشی کا اظہار کر کے نبیل کو بہلانے کی کوشش کی۔

"ہاں دیکھو، سب خوش ہو رہے ہیں۔" میمونہ بھابھی بھی اپنے انداز میں شروع ہو گئیں۔ "یہ اتنے اچھے اچھے کپڑے دیکھ رہے ہو، یہ سب تمہاری پھوپھو کے ہیں، جب تم سے ملنے آئیں گی تو یہی اچھے کپڑے پہن کر آئیں گی، بہت اترائیں گی۔ ہاتھوں میں چوڑیاں کھنکھنا کر کھلکھلا کر ہنسیں گی، ہے ناں آسیہ!"

اور آسیہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"ارے میں ہنسنے کی بات کر رہی ہوں، تم رو رہی ہو۔" بھابھی میمونہ بھابی نے سرزنش کے انداز میں کہا تو وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"نبیل کا خیال رکھیے گا بھابھی۔!"

✿.....✿.....✿

جب تک وہ ابا جی، اماں جی، بھائیوں اور بھابیوں کے حصار میں کھڑی تھی، اس کی آنکھیں ان سے دوری کے خیال سے ساون برساتی رہی تھیں باری باری سب نے اسے گلے لگا کر ڈھیروں دعائیں دیں۔ ساری زندگی وہ ان ہستیوں کی محبتیں سمیٹتی آئی تھی۔ کہیں کوئی تشنگی کوئی محرومی نہیں تھی۔ اور انہی محبت کرنے والی ہستیوں نے اسے شاہ سکندر کے سنگ رخصت کرتے ہوئے اس کے سارے آنسو اپنے پاس رکھ لیے تھے۔ اس کا ادراک اسے بابل کی دہلیز پار کرتے ہی ہو گیا تھا کہ جو آنکھیں ساون برسا رہی تھیں ان میں یکلخت نئے سفر کی رعنائیاں سمٹ آئی تھیں۔ اور پیچھے رہ جانے والی محبتوں پر تڑپنے کی بجائے اس کا دل اس شخص کی محبت پر ہولے ہولے دھڑکنے لگا تھا جو اسے ایک بازو کے حلقے میں لے کر اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

شاہ جہانگیر نے پہلے جا کر دروازہ کھول دیا تھا اور نائلہ بھاگ کر دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی ہو گئی۔

"میرا نیگ!"

"نہیں دوں گا تو کیا کرو گی؟" شاہ سکندر کا انداز چڑانے والا تھا جیسے اب وہ کچھ نہیں کر سکتی۔

"میں آپ سے ہمیشہ کے لیے روٹھ جاؤں گی؟"

"اور میں تمہیں روٹھنے نہیں دوں گا۔" شاہ سکندر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر لال لال نوٹ نکالے پھر اس کے سامنے لہرا کر بولا۔

"پہلے راستہ چھوڑو۔"

نائلہ نے راستہ چھوڑنے سے پہلے اس کے ہاتھ سے نوٹ جھپٹ لیے اور بھاگ کر ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آن کر دیا۔

"بہارو پھول برساؤ، میرا محبوب آیا ہے۔"

شاہ جہانگیر بے حد خاموش نظروں سے بھائی کو دیکھنے لگے جس کا چہرہ حقیقی مسرتوں سے دمک رہا تھا۔

"سکندر!" بلا ارادہ انہوں نے اسے آواز دے ڈالی جو شاید شاہ سکندر نے سنی نہیں، کیونکہ ایک تو ٹیپ کی آواز تیز تھی دوسرے اس کا سارا دھیان پہلو میں سمٹی آسیہ کی طرف تھا جسے بڑے سے گھونگھٹ کے باعث چلنے میں دشواری ہو رہی تھی۔

"دیکھو تمہیں شاید بھائی بلا رہے ہیں۔"

احمد حسن کی امی نے آگے آ کر آسیہ کو تھامتے ہوئے اس سے کہا تو اس نے فوراً گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ شاہ جہانگیر، احمد حسن کے ساتھ ڈرائینگ روم میں جا رہے تھے وہ آسیہ کے کندھے کو ہلکے سے دبا کر ان کے پیچھے چلا گیا۔

"اب تو میں دلہن دیکھ سکتی ہوں ناں؟" وہ مسہری پر بیٹھی تھی کہ نائلہ نے بڑھ کر بڑے شوق سے اس کا گھونگھٹ اُلٹ دیا اور بے اختیار واہ کہتے ہوئے بولی۔

"اسی لیے آپ کی بھابیاں دیکھنے نہیں دے رہی تھیں کہ کہیں نظر نہ لگ جائے، سچ بہت پیاری لگ رہی ہیں آپ۔"

"ماشاء اللہ کہو۔" نائلہ کی امی نے عقب سے ٹوکا۔

"ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ، ماشاء اللہ!" نائلہ ایک ہی سانس میں کہے گئی پھر کھلکھلا کر ہنسی۔

آسیہ کے ہونٹ ذرا سی مسکراہٹ کی گرفت میں آ گئے۔

"چلو اب بھابھی کو تنگ نہیں کرو، جا کر احمد حسن سے پوچھو گھر کب چلنا ہے؟" آنٹی نے نائلہ کا کندھا تھپک کر اسے اٹھا دیا۔ پھر اس کی جگہ خود بیٹھیں تو آسیہ کی ٹھوڑی چھو کر پوچھنے لگیں۔

"تم نے کھانا بھی کھایا ہے کہ نہیں؟"

اس نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک سے تو نہیں کھایا ہوگا۔ خیر دودھ اور پھل یہاں رکھے ہیں اور کچن میں کھانا بھی موجود ہے بھوک لگے تو کھا لینا اپنے گھر میں ہو، اب تو سب تمہیں ہی سنبھالنا ہے۔ اور میرا خیال ہے تمہیں کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔"

آنٹی اپنی ذمہ داری نبھا کر اور اسے اس کی ذمہ داری کا احساس دلا کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

پھر کچھ دیر تک اسے ملی جلی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ جن میں نائلہ کی آواز نمایاں تھی۔ اس کے بعد خاموشی چھا جانے پر وہ یہی سمجھی کہ سب چلے گئے ہیں جبھی اطمینان سے ہو کر اس نے اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کیا پھر اس کے ساتھ اپنی اکڑی ہوئی کمر لگانا چاہتی تھی کہ قدموں کی آواز پر دوبارہ اسی پوزیشن میں بیٹھ گئی تبھی دروازہ کھلنے کے ساتھ شاہ سکندر کی آواز سنائی دی۔

"آسیہ! جہانگیر بھائی آ رہے ہیں۔"

اس کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔ چند لمحوں بعد شاہ جہانگیر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سلام کیا، پھر مسہری کے قریب رُک کر کہنے لگے۔

"اصولاً مجھے اس وقت یہاں آنا تو نہیں چاہیے تھا لیکن مجبوری ہے کہ مجھے ابھی واپس شاہ پور جانا ہے اور آپ کو شادی کا تحفہ دینا بھی ضروری تھا۔ جس کے لیے سکندر کا اصرار ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے آپ کو دوں۔ لیجیے قبول فرمایئے۔"

آسیہ بمشکل ذرا سا سر اونچا کر سکی پھر دونوں ہاتھ بڑھا کر پیکٹ تھام لیا۔

"خوش رہو۔" شاہ جہانگیر نے آسیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا پھر فوراً کمرے سے نکل گئے تو ان کے پیچھے شاہ سکندر کو اس نے لپکتے دیکھا پھر ہاتھوں میں تھاما پیکٹ ایک طرف رکھ کر آرام دہ انداز میں بیٹھ گئی۔ کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے۔ گود میں رکھے اپنے حنائی ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے کسی خوبصورت خیال میں محو تھی کہ اچانک شاہ سکندر نے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔

"میں نے قسمت کی لکیروں سے چرایا ہے تجھے"

آسیہ نے ذرا سی پلکیں اٹھائیں لیکن اس کے چہرے کو نہیں دیکھ سکی تب وہ اس کی جھکی ہوئی نظروں کے سامنے لیٹ گیا اور دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے بولے۔

"مجھے یقین دلاؤ آسیہ کہ تم میری ہو چکی ہو اور اگر یہ خواب ہے تو مجھے ہمیشہ کی نیند سلا دو۔"

"اُف" اس کا دل بڑی زور سے دھڑکنے لگا۔ اور بہت دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی پر آئے بالوں میں انگلیاں پھنسائیں، پھر اچانک زور سے جکڑ کر بولی۔

"یقین کر لیں۔"

"بڑی ظالم ہو۔" شاہ سکندر نے اس کی کلائی تھام کر جھٹکے سے اسے اپنے سینے پر گرا لیا تھا۔

✿.....✿.....✿

صبح صادق کی نرم، لطیف اور قدرے خنک ہوا نے براہِ راست اس کے چہرے کو چھوا تھا جبھی اس کی آنکھ کھل گئی۔ نظروں کے عین سامنے کھڑکی کھلی ہونے کے باعث پردہ لہرا رہا تھا۔ اس نے شاہ سکندر کی نیند کے خیال سے اس کے بازو کے حلقے سے نکلنے میں بہت احتیاط سے کام لیا، پھر اسی طرح مسہری سے اتر کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی اور پردہ سمیٹ کر دھیرے دھیرے اترتے اجالے میں پلٹ کر اپنی زندگی میں اجالے بکھیرنے والے کو دیکھنے لگی۔ گہری اور پرسکون نیند میں وہ ہمیشہ سے زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ کچھ دیر وہ اس پر نظریں جمائے کھڑی رہی پھر الماری میں سے کپڑے نکال کر واش روم میں چلی گئی۔

جب نہا کر نکلی تب بھی وہ گہری نیند میں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے؟ پتا نہیں وہ کب اٹھتا تھا اور وہ اسے اٹھانے کے خیال سے جھجک رہی تھی۔ پھر اسی شش و پنج میں کمرے سے نکل کر آئی تو پہلے پورے اپارٹمنٹ کا جائزہ لیا اس کے بعد کچن میں آ کر چائے بنانے لگی۔ اور چائے بناتے ہوئے اس نے قصداً کچھ برتنوں کو اٹھانے رکھنے میں آواز پیدا کی شاید وہ ان آوازوں سے اٹھ جائے لیکن وہ پتا نہیں نرد دوں سے شرط باندھ کر سویا تھا۔ تب وہ اس کی نیند پر رشک کرتی ہوئی دونوں مگ ٹرے میں رکھ کر لے آئی اور جیسے ہی اس کے قریب کارنر پر ٹرے رکھنے کے لیے جھکی پشت پر کھلے لمبے گیلے بال اس کے چہرے پر بکھر گئے۔

"صبح بخیر۔" شاہ سکندر اس کے بالوں میں سے جھانک کر مسکرایا تو وہ گھبرا کر اپنے بال سمیٹتی ہوئی سیدھی کھڑی ہو گئی۔

"چائے لیجیے۔"

ڈال
...کہنیوں پر وزن ڈال کر اونچا ہوا، اور اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے اس کے ساتھ
ٹیک لگا کر بیٹھنے کے بعد اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

"چائے۔" شاہ سکندر کہنیوں پر وزن ڈال کر اونچا ہوا، اور اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے اس کے ساتھ

"چائے تم نے کیوں بنائی، مجھے اٹھا دیا ہوتا۔"

"آپ گہری نیند میں تھے۔"

"ہاں۔" وہ اپنے آپ محظوظ ہو کر اور جیسے بہت خوشگوار احساس میں گھر کر بولا۔ "زندگی میں پہلی بار میں نے ہار کا مزہ چکھا ہے۔ تمہاری محبت میں ہار کر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔"

"اور میں نے جیت کر بھی ہوش نہیں کھوئے۔" وہ زیر لب مسکرائی اس کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں، لیکن سر اونچا تھا۔

شاہ سکندر نے چونک کر اسے دیکھا اور اس تمام عرصے میں پہلی بار اس کی ذہنی رو بھٹک گئی۔

"جیتے تو آپ ہیں شاہ! میں تو ہار گئی۔"

"ہارنے کا دکھ نہیں ہے تمہیں؟" وہ بے اختیار کہہ گیا۔

"ہیں؟" وہ چونکی، حیران ہوئی پھر نیچے کارپٹ پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھی اور کہنیاں مسہری کی پٹی پر ٹکا کر ایک ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہوئے بولی۔

"آپ تو سچ مچ ہوش کھو بیٹھے ہیں چلیے آپ جیتے، میں ہاری اور مجھے ہارنے کا دکھ نہیں خوشی ہے۔"

شاہ سکندر اپنی بے اختیاری پر جز بز ہو رہا تھا جبھی اس کی بات کے جواب میں فوراً کچھ نہیں کہہ سکا تو ہاتھ بڑھا کر چائے کا مگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا تب ہی کال بیل کی آواز پر وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ فوراً مگ رکھ کر کمرے سے نکل گیا چند لمحوں بعد میمونہ بھابھی کی آواز سنائی دی تھی۔

"اُف، شادی کے گھر میں اتنی خاموشی۔"

وہ جلدی سے بیڈ کی چادر ٹھیک کر کے قصداً دروازے کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئی کیونکہ میمونہ بھابھی کا پتا تھا کسی کا کوئی لحاظ نہیں کرتی تھیں جو منہ میں آتا کہہ دیتیں۔

"ارے، یہاں تو گھٹا چھائی ہے۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی میمونہ بھابھی کی نظر اس کے کھلے بالوں پر پڑی تھی۔

"دیکھو میمونہ برس چکا یا۔" سیما بھابھی کی معنی خیز ہنسی پر وہ لجا کر کھڑی ہو گئی اور دوپٹے سے سر ڈھانپتی ہوئی ان کی طرف پلٹ کر بولی۔

"آداب!"

"خوش رہو۔ سدا سہاگن رہو اور وہ کیا کہتے ہیں دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔" کھلکھلاتی ہنسی کے ساتھ میمونہ بھابھی کی زبان چل پڑی تھی۔

اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکان کھلنے لگی۔ دوپٹے کا کونا دانتوں میں دبا کر بولی۔

"کچھ دعائیں بعد کے لیے بھی رہنے دیں۔"

"بعد کب یعنی بچوں کے لیے۔ ارے انہیں آنے تو دو پھر۔"